جلد 21 شمارہ 11 ماہ نومبر 2019ء ربیع الاول 1441ھ

واذکر اسم ربک وتبتل الیہ تبتیلا

صداقت اللہ محبت

سلسلہ عالیہ توحیدیہ

ہے عرش بھی نیچا جو ہو پرواز مسلسل

ماہنامہ

# فلاحِ آدمیت

# سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا تعارف اور اغراض و مقاصد

- سلسلہ عالیہ توحیدیہ ایک روحانی تحریک ہے جس کا مقصد کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے مطابق خالص توحید، اتباع رسول، کثرت ذکر مکارم اخلاق اور خدمت خلق پر مشتمل حقیقی اسلامی تصوف کی تعلیم کو فروغ دینا ہے۔
- کشف و کرامات کی بجائے اللہ تعالیٰ کے قرب و عرفان اور اس کی رضا و لقاء کے حصول کو مقصود حیات بنانے کا ذوق بیدار کرنا ہے۔
- حضور ﷺ کے اصحاب کی پیروی میں تمام فرائض منصبی اور حقوق العباد ادا کرتے ہوئے روحانی کمالات حاصل کرنے کے طریقہ کی ترویج ہے۔
- موجودہ زمانے کی مشغول زندگی کے تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے نہایت مختصر اور سہل العمل اوراد واذکار کی تلقین۔
- غصہ اور نفرت، حسد و بغض، تجسّس و غیبت اور ہوا و ہوس جیسی برائیوں کو ترک کر کے قطع ماسواء اللہ، تسلیم و رضا عالمگیر محبّت اور صداقت اختیار کرنے کو ریاضت اور مجاہدے کی بنیاد بنانا ہے۔
- فرقہ واریت، مسلکی اختلافات اور لاحاصل بحثوں سے نجات دلانا۔ تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب کی اہمیت کا احساس پیدا کر کے اپنی ذات، اہل و عیال اور احباب کی اصلاح کی فکر بیدار کرنا ہے۔
- اللہ تعالیٰ کی رضا اس کے رسول ﷺ کی خوشنودی اور ملت اسلامیہ کی بہتری کی نیت سے دعوت الی اللہ اور اصلاح و خدمت کے کام کو آگے بڑھانا اپنے مسلمان بھائیوں کے دلوں میں قلبی فیض کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی محبّت بیدار کرنا اور روحانی توجہ سے ان کے اخلاق کی اصلاح کرنا ہے۔

ماہنامہ

# فلاحِ آدمیّت

گوجرانوالہ

عالمگیر محبت اور بنی نوع انسان کی اصلاح و فلاح کا علمبردار

بیاد

خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ

بانی سلسلہ

محمد صدیق ڈارؒ

بانی مجلّہ فلاح آدمیت

نگران و سرپرست اعلیٰ: جناب محمد یعقوب توحیدی

شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ

0344-9000042




شیخ سلسلہ و مدیر سے رابطہ

مرکز تعمیر ملت (ڈاکخانہ سیکنڈری بورڈ) وحید کالونی کوٹ شاہاں گوجرانوالہ

ای میل: info@tauheediyah.com Ph: 055-3411030

Website www.tauheediyah.com



پبلشر عامر رشید انصاری نے معراج دین پرنٹرز مچھلی منڈی لاہور سے چھپوا کر مرکز تعمیر ملت، جی ٹی روڈ گوجرانوالہ سے شائع کیا

قیمت شمارہ -/30 روپے

سالانہ فنڈ -/300 روپے

# اس شمارے میں

# دل کی بات

ربیع الاوّل کے شروع ہوتے ہی ملک کے طول وعرض میں عید میلادالنبیﷺ کے حوالے سے مختلف نوع کے پروگرامات کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے جن میں گلیوں، بازاروں میں لاکھوں روپے سے سجاوٹ اور پہاڑیوں کے نام پر کھیل تماشہ، برقی قمقموں کا بے محابا استعمال، لنگر کی تقسیم اور پیشہ ورنعت خوانوں کی محافل میں آمد وغیرہ شامل ہیں

کوئی بھی عقل مند آدمی اور قوم اپنے ہر ایک عمل کا ٹھوس جواز رکھتی ہے اور بعد ازاں اس عمل کے ردِّعمل یا نتائج پر غور بھی کرتی ہے۔جیسا کہ علامہ فرماتے ہیں۔

صورتِ شمشیر ہے دستِ قضا میں وہ قوم
کرتی ہے جو ہر زماں اپنے عمل کا حساب

قرآن کریم نے بھی سوچنے سمجھنے کی بابت سینکڑوں آیات بیان کی ہیں اور اس وصف سے عاری لوگوں کو انسانوں کی صف میں سے ہی خارج کر دیا ہے۔سورہ الاعراف آیت 179 میں ارشاد ہوتا ہے۔

وَلَقَدْ ذَرَأْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيراً مِّنَ الْجِنِّ وَالإِنسِ لَهُمْ قُلُوبٌ لاَّ يَفْقَهُونَ بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لاَّ يُبْصِرُونَ بِهَا وَلَهُمْ آذَانٌ لاَّ يَسْمَعُونَ بِهَا أُوْلَـئِكَ كَالأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ أُوْلَـئِكَ هُمُ الْغَافِلُونَ.

البتہ تحقیق ہم نے بہت سے جن اور انسان جہنم کے لیے پیدا کیے ہیں ان کے دل ہیں مگر وہ سمجھتے نہیں، آنکھیں ہیں مگر وہ ان سے دیکھتے نہیں، ان کے کان ہیں مگر وہ ان سے سنتے نہیں یہ لوگ چوپایوں کی مانند ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ ہیں۔وہ لوگ ہی غافل ہیں۔

اسی طرح احادیث مبارکہ میں بھی بندہ مومن کی فراست کے حوالے سے بیشتر احادیث ہیں۔مثلاً آپﷺ کا فرمان مبارک ہے"مومن کی فراست سے ڈرو کیوں کہ وہ

اللہ کے نور سے دیکھتا ہے"۔

اس ساری تمہید کا مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں کی موجودہ صورتحال کا قرآن کی تعلیمات کی روشنی میں جائزہ لیا جائے تو کسی قسم کی مطابقت نظر نہیں آتی بلکہ قرآن کی کھلم کھلا مخالفت کا پہلو نکلتا ہے بانی سلسلہ توحیدیہ عبدالحکیم انصاریؒ کے یہ الفاظ اس صورتحال کی عکاسی کرتے ہیں۔

مسلمانوں کے زوال کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے قرآن کے خلاف عقیدے گھڑ لیے ہیں اور ان پر قائم ہو کر اللہ اور قرآن کو پس پشت ڈال دیا ہے"

مذکورہ حوالہ جات کی روشنی میں علماء، صوفیا اور امراء ( جن کو انصاری صاحبؒ نے زوال امت کا ذمہ دار ٹھہرایا ہے، اور ان میں سے جن چند کے دل میں امت کا درد ہے ) پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ میلاد کے موقع پر جاری ان رسوم کے عواقب و نتائج پر غور کریں۔ اگر تو ان کی وجہ سے مسلمانوں میں قوت عمل و ایمانی میں اضافہ ہو رہا ہے، عالمی دنیا میں مقام اونچا ہو رہا ہے اور مسلمان دن دگنی رات چگنی ترقی کر رہے ہیں تو پھر یہ سارا کچھ جاری رکھیں بلکہ اس میں اور اضافہ کریں۔ اور اگر معاملہ اس کے برعکس ہے تو خدا سے ڈر جائیں اور اپنی ذمہ داریوں کا احساس کریں۔ کل قیامت والے دن جب اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے سامنے پیش ہونگے تو کیا وہاں کوئی عذر پیش کر سکیں گے۔

اس کا یہ مطلب نہیں کہ نبی مکرم ﷺ کی مدح نہ کی جائے اور آپ سے عقیدت کا اظہار نہ کیا جائے بلکہ کہنا یہ مقصود ہے کہ یہ ایک عبادت ہے اور اخلاص کے بغیر عبادت ایسے ہی ہے جیسے بدن بغیر روح کے، پیشہ ور لوگوں کو کرائے پر بلوا کر نعت سننا اور ان پر نوٹ نچھاور کرنا ریا کاری اور اصراف کا دروازہ کھولنے کے مترادف ہے جن کی سزا اللہ کے ہاں بہت سخت ہے۔ نیز اس طرح کی رسومات سے عوام کی اکثریت سیرت رسول ﷺ کے عملی پہلو سے دور ہوتی چلی جاتی ہے۔ اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ انہی رسومات کو دین سمجھ بیٹھتی ہے۔

تھا جو ناخوب بتدریج وہی خوب ہوا
کہ غلامی میں بدل جاتا ہے قوموں کا ضمیر

علامہ اقبالؒ

علماء اور پیر حضرات کو چاہیے تو یہ تھا کہ نبی مہرباں ﷺ کے مبارک اسوہ کی پیروی کرتے اور کرواتے اور آپ ﷺ نے ساری زندگی جس جدوجہد میں گزاری، معاشرے کو اخلاقی و مادی پستی سے اٹھا کر قوت ایمانی کی بدولت جس بلندی تک پہنچایا وہی قوت آج کے مسلمان میں پیدا کرتے مگر ظاہر ہے کہ غالب اکثریت کی معیشتی زندگی کا مدار ہی ان باتوں پر ہے۔

اب جب کہ ساری دنیا میں مسلمانوں کا خون پانی سے سستا ہو چکا ہے۔دشمنوں نے شام، عراق، برما، افغانستان، کشمیر اور دیگر بلاد اسلامیہ میں جی بھر کے خون کی ہولی کھیلی اور غیرت مسلم کو للکارا ہے مگر ہم چوں کہ "عاشق رسول اور مومنین" کے گروہ سے تعلق رکھتے ہیں اس لیے ہمیں امت نام کی کسی چیز سے کوئی سروکار نہیں۔جب کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ "تمام مسلمان ایک جسم کی مانند ہیں اگر جسم کے کسی حصے کو تکلیف پہنچتی ہے تو سارا جسم بے خوابی اور بخار میں مبتلا ہو جاتا ہے"۔ان حالات میں یہ کس کی ذمہ داری ہے کہ وہ ملت کو وحدت کی لڑی میں پروئیں اور دشمنوں کی غلامی سے نکالنے کی سبیل کریں۔ظاہر ہے یہ بھاری ذمہ داری انبیاء کے ورثاء یعنی علما اور صوفیا کے کندھوں پر ہے، کیا وہ یہ ذمہ داری ادا کر رہے ہیں؟ فیصلہ آپ خود کرلیں۔

ہمیں بطور توحیدی حقائق پر گہری نظر رکھنی چاہیے اور ہر معاملے میں اعتدال کا دامن نہیں چھوڑنا چاہیے اور جس قدر وسائل اللہ نے عطا فرمائے ہیں وہ خوش دلی کے ساتھ ملت کی تعمیر وترقی کے لیے پیش کردیں۔

**(ادارہ)**

# نعت رسول مقبول ﷺ

عرش حق ہے مسند رفعتِ رسول اللہ ﷺ کی
دیکھنی ہے حشر میں عزت رسول اللہ ﷺ کی

قبر میں لہرائیں گے تا حشر چشمے نور کے
جلوہ فرما ہوگی جب طلعت رسول اللہ ﷺ کی

لا و ربُّ العرش جس کو ملا اُن سے ملا
بٹتی ہے کونین میں نعمت رسول اللہ ﷺ کی

وہ جہنم میں گیا جو اُن سے مستغنی ہوا
ہے خلیل اللہ کو بھی حاجت رسول اللہ ﷺ کی

ٹوٹ جائیں گے گناہ گاروں کے فوراً قید و بند
حشر میں برسے گی جب رحمت رسول اللہ ﷺ کی

یا ربّ اک ساعت میں دُھل جائیں ہمارے جرم
جوش میں آجائے گی جب رحمت رسول اللہ ﷺ کی

اے رضا خود صاحبِ قرآں مداحِ رسول ﷺ ہے
تجھ سے کب ممکن ہے! پھر مدحت رسول اللہ ﷺ کی

(احمد رضا خان بریلوی رحمتہ اللہ علیہ)

# تسلیم ورضا اور شکر گزاری

(شیخ سلسلہ قبلہ محمد یعقوب توحیدی مدظلہ)

ہم ہر ہفتہ حلقۂ ذکر میں اقبالؒ کی نظم خودی کا سر نہاں پڑھتے ہیں ۔اس میں یہ کہتے ہیں کہ "یہ نغمہ فصل گل و لالہ کا نہیں پابند، بہار ہو کہ خزاں لا الٰہ الا اللّٰہ۔

یہ بیماری، تندرستی، غریبی کا غم نہیں ۔بس ہر حال میں لا الٰہ الا اللّٰہ کرنا پڑتا ہے۔

دیکھیں اللہ سب سے بڑا ہے، سب سے خوبصورت ہے، سب سے اچھا ہے۔اللہ خود کو ترجیحات میں نمبر 1 پر دیکھنا چاہتا ہے ۔اگر آپ اللہ کو نمبر 2 پر رکھیں گے تو آپ کے قریب بھی نہیں آئے گا۔ کہ آج حلقۂ ذکر ہے تو میں آج مصروف ہوں، ذکر کے لیے نہیں جاتا یا میں پہلے فلاں کام کر لوں تو پھر اللہ کی یاد کے لیے جاؤں گا۔یہ اللہ کو قابل قبول نہیں ۔سب سے پہلے اللہ کا کام کریں، پھر وہ قبول کرے گا ۔اللہ نمبر 1 ہے، وہ نمبر 1 پر ہی رہنا چاہتا ہے ۔اس کے علاوہ ہم اللہ کو secondary position نہیں دے سکتے نہ اس کی secondary position ہے۔ اللہ، اللہ ہے ۔ہم اللہ کے محتاج ہیں، اللہ ہمارا محتاج نہیں ہے ۔کوئی بھی اللہ کو یاد نہ کرے تو اس کی شان یا اس کی خدائی میں کوئی فرق نہیں آتا اور سارے اللہ کے بندے بن جائیں ۔اللہ اللہ کرنے لگ جائیں پھر بھی اس کی خدائی میں کوئی فرق نہیں آتا ۔اس میں ہمارا ہی فائدہ ہے۔

اللہ والے اگر بھوکے ہوتے ہیں تو کبھی بھی زبان پر نہیں لاتے ۔ان کی حالت سے کوئی نہیں سمجھ سکتا کہ یہ بھوکا ہے ۔لیکن یہ بات اللہ کی یاد اور ریم سے آتی ہے۔

دولت بھی اللہ سے مانگنی چاہیے ۔لیکن اللہ والوں کی دولت ان کے اپنے لیے نہیں ہوتی ان کے ہاتھ میں دولت کا آنا یا نہ آنا، ان کے لیے برابر ہوتا ہے، کیوں کہ وہ یہ دولت اپنے پاس نہیں رکھتے۔

دیکھیں! ہمارے حلقے کی قطعاً یہ تعلیم نہیں ہے کہ دنیا کے کام نہ کریں ۔دنیا کے لیے بھی

خوب محنت کریں لیکن پھر جو اللہ دے اس پر راضی رہیں۔ یہ نہیں کہ اگر اللہ کم رزق دے تو رونا شروع کر دیں، یہ نہیں ہونا چاہیے۔ محنت آپ خوب کریں۔ ہمارا پیر بھائی جو توحیدی رنگ کا ہے، اگر وہ نماز کا پابند ہوگا تو وہ کبھی بھی معاشی طور سے کمزور نہیں ہوگا۔ یہ گارنٹی قبلہ انصاری صاحبؒ نے دی ہے اللہ کے فضل و کرم سے۔ اور جو نماز نہیں پڑھے گا اکثر وہ معاشی طور سے تنگ ہی ہوگا۔ اس لیے ہمارے بھائی اللہ کے فضل سے خوش رہتے ہیں۔ تھوڑی بہت کمی بیشی ہوتی رہتی ہے اور یہ زندگی کا حصہ ہے۔ کبھی انسان بیمار ہوتا ہے تو کبھی تندرست ہوتا ہے، کبھی کمزور ہوتا ہے اور کبھی توانا۔ کبھی رزق گھٹتا اور کبھی بڑھتا ہے۔ یہ نہ ہو تو زندگی میں جمود آ جائے اور احساس ہی نہ ہو کہ میں زندہ ہوں یا نہیں۔ زندگی اسی سے خوبصورت ہے۔ یہ سب نہ ہوں تو زندگی کا مزہ نہیں۔ دیکھیں دنیا میں اربوں لوگ ہیں، اگر یہ نظام زندگی انسان کی مرضی کے تابع ہو تو کوئی انسان بادشاہ بننے سے کم نہ ہوں۔ سب کہیں گے کہ ہم بادشاہ بنیں۔ کیا خیال ہے آپ کا۔ کون کہے گا کہ میں سپاہی بنوں یا میں خانساماں بنوں۔ سب کہیں گے کہ ہم بادشاہ بنیں لیکن اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کا مقام مقرر کیا ہوا ہے، اسے اس مقام پر رکھا ہوا ہے اور انسان کو اسی مقام پر خوش رہنا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: لَئِن شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ وَلَئِن كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ

"کہ اگر تم شکر کرو گے تو تمھیں مزید دوں گا اور اگر تم ناشکری کرو گے تو میرا عذاب شدید ہے"۔

جو میرے دیے پر خوش ہوتا اور شکر ادا کرتا ہے، میں اس کی نعمتوں میں اضافہ فرما دیتا ہوں اور جو کفران نعمت کرتا ہے تو میرا عذاب بڑا سخت ہے۔ اللہ نے سب کو واضح فرما دیا ہے۔ انسان اللہ کو چیلنج تو نہیں کر سکتا کہ فلاں کو کیوں اتنا دیا، مجھے کیوں نہیں دیا۔ یہ بہت بڑی گستاخی ہے۔ اللہ کا شکر ہر حال میں ادا کرو۔ چاہے پاس کچھ ہے یا نہیں اور اس میں کیا بہتری ہے یہ اللہ جانتے ہیں، ہم نہیں جانتے کہ میرے ساتھ جو کچھ ہو رہا ہے یا میں تنگ دست ہوں تو کیوں ہوں؟ ہم نہیں جانتے۔ اس لیے انسان کو صرف شکر گزار ہی رہنا چاہیے۔

# سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے عقائد اور نور و بشر کا مسئلہ

(حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ)

میں خود نبی کریم ﷺ کو نور سمجھتا ہوں لیکن ان معنوں میں نہیں جیسا کہ عوام الناس سمجھتے ہیں

میرا اور ہر مسلمان کا یہ عقیدہ ہے اور یہ امر واقعہ بھی ہے کہ حضور ﷺ کی بعثت سے پہلے یہ دنیا کفر و گمراہی کے گھٹا ٹوپ اندھیرے میں گھری ہوئی تھی۔ خدائی تعلیم جو پچھلے پیغمبروں کے ذریعہ نازل کی گئی تھی مسخ یا غائب ہو چکی تھی' انسان انسان کو کھا رہا تھا۔ ہر زبردست کمزوروں پر ظلم اور سختیاں کرنا اپنا حق سمجھتا تھا۔ برائی بھلائی میں کوئی تمیز نہ تھی۔ شراب' جوا' چوری' قتل' زنا اور دختر کشی تفریحات کا سامان تھیں۔ دجل و فریب' مکر و ریا اور جور و جفا کے جھکڑ چل رہے تھے۔ غریب انسان بادشاہوں' امیروں اور حاکموں کے ظلم و ستم سے تنگ آ کر اس گھٹا ٹوپ اندھیرے میں کسی جائے پناہ کے لیے مارے مارے سرگرداں و پریشاں ٹامک ٹوئیاں مارتے پھرتے تھے لیکن کوئی ماویٰ و ملجا دکھائی نہ دیتا تھا۔ کہیں سر چھپانے کی جگہ نظر نہ آتی تھی۔ یہ حال تھا کہ ایک سرزمین غیر ذی زرع کے مرکز یعنی مکہ مکرمہ کے ایک مبارک گھر سے آفتاب ہدایت کا نور چمکا۔ مخالف عناصر نے بہت مقابلہ کیا' بہت زور مارا' کفر و شرک کی گھنگھور گھٹائیں اٹھیں اور ظلم و ستم کی آندھیاں چلیں کہ اس نور ضیا بار کی روشنی کو آگے نہ پھیلنے دیں۔ لیکن سب مٹ گئیں' دب گئیں اور فنا ہو کے رہ گئیں۔ رفتہ رفتہ' آہستہ آہستہ تمام مشرق وسطیٰ اس نور لازوال کی ضوء پاشیوں سے چمکنے دمکنے لگا' جگمگا اٹھا۔ امن و امان' عدل و انصاف اور اخوت و مساوات کی صبح روشن طلوع ہوئی۔ امیروں اور ظلم و ستم کے علمبرداروں کی گردنیں جھک گئیں یا توڑ دی گئیں۔ غریبوں کو جائے پناہ اور ماویٰ و ملجا میسر آیا۔ دنیا نے اطمینان کا سانس لیا اور سب اپنے اپنے کام میں لگ کر تہذیب و ترقی کے راستے پر گامزن ہو گئے۔

اس نور جہاں تاب سے صرف ممالک مشرق وسطیٰ ہی منور نہ ہوئے بلکہ باقی دنیا کا کوئی بھی

ملک ایسا نہ رہا جہاں اس کی روشنی نہ پہنچی ہو اور جو اسلام کی تعلیم و تہذیب اور مسلمانوں کے اخلاق اعلیٰ سے متاثر و متمتع نہ ہوا ہو۔ (دنیا جانتی ہے کہ اس وقت یونان کے بوسیدہ فلسفے اور روما کے ظالمانہ قوانین جہاں بانی کے سوا یورپ کے کسی ملک میں بھی حق و انصاف' عدل و مساوات' امن و امان اور علم و اخلاق کا نام و نشان نہ تھا)۔ یہ سب باتیں انہوں نے مسلمانوں ہی سے سیکھیں۔ آج بھی ان ممالک کے قصر ترقی کی بنیادیں کھود کر دیکھی جائیں تو آپ کو وہاں اسلامی تعلیم و تہذیب اور اسلامی اخلاق کے جواہر ریزے ہی چمکتے دمکتے نظر آئیں گے۔

آپ نے کبھی سوچا ہے کہ نور و ظلمت یا اجالے اور اندھیرے کی خاصیت کیا ہے؟ نہیں سوچا تو اب سوچئے۔ آپ میں اکثر حضرات کو اکثر یہ اتفاق ہوتا ہوگا کہ رات کے وقت اپنے مکان یا کمرے میں داخل ہوں تو وہاں گھپ اندھیرا ہوتا ہے اور آپ کو مطلق نہیں دکھائی دیتا کہ کون سی چیز کہاں رکھی ہے۔ کون سی چیز بے ضرر اور کس چیز سے ٹھوکر لگنے کا اندیشہ ہے۔ مگر یونہی آپ بلب کا سوئچ دباتے ہیں کمرے میں نور پھیل جاتا ہے اور آپ کو سب چیزیں صاف صاف نظر آنے لگتی ہیں اور آپ ان چیزوں سے بچ کر نکل جاتے ہیں جن سے ٹھوکر لگ سکتی تھی۔ اب ایک ایسی رات کا تصور کیجیے جو سخت اندھیری ہے اور آپ جنگل بیابان میں چلے جا رہے ہیں۔ چاند کی آخری تاریخیں ہیں۔ آسمان پر گھنگھور گھٹا چھائی ہوئی ہے۔ ہاتھ کو ہاتھ نظر نہیں آتا۔ دو قدم آگے کی چیز دکھائی نہیں دیتی۔ کچھ نظر نہیں آتا کہ آگے کھائی ہے یا کھڈیا کوئی ٹیلا۔ خاردار جھاڑیاں ہیں یا نوکیلے پتھر' سامنے دس قدم پر کوئی اژدہا پڑا ہے یا کوئی خونخوار درندہ چھپا ہوا گھات لگائے بیٹھا ہے۔ سوچئے اور خوب سوچئے کہ اس وقت آپ کا کیا حال ہوگا۔ آپ کے دل پر کیا بیت رہی ہوگی اور اس سیاہ رات کے طویل گھنٹوں میں کتنا سفر کر سکیں گے۔ اب غور کیجیے کہ کافی عرصہ تک یونہی ٹھوکریں کھاتے اور گرتے پڑتے چلتے رہنے کے بعد مطلع مشرق پر آثار سحر نمودار ہوئے سپیدہ صبح نے شاہ خاور کے برآمد ہونے کی خوشخبری سنائی اور دیکھتے ہی دیکھتے اجالا ہو گیا۔ اب آپ کو نہ صرف اپنے گرد و پیش بلکہ حد افق تک ہر چیز صاف نظر آنے لگی۔ آپ کو دکھائی دینے لگا

کہ کون سی چیز مضرت رساں ہے‘ کون سی بے ضرر اور کون سی مفید۔ اب آپ مفید چیزوں سے فائدہ اٹھاتے‘ بے ضرر چیزوں کو مناسب طریقے سے استعمال کرتے اور مضرت رساں چیزوں سے دامن بچاتے پوری تیز رفتاری سے چلنے لگے اور بامراد و شاد کام منزلِ مقصود پر پہنچ گئے۔ یہی حال کفر و اسلام کا ہے۔ کفر ظلمت و اندھیرا ہے اور اسلام روشنی و نور۔ کافر مطلق نہیں جانتا کہ اس کائنات کا اور خود اس کا اپنا کوئی خالق ہے جو اس کے مرنے کے بعد اس سے نیکی و بداعمالی کی پرسش کرے گا اور ان پر جزا و سزا دے گا۔ کافر کو قطعاً نہیں معلوم کہ برائیوں سے اس کی روح کمزور‘ بیمار اور مفلوج ہو جاتی ہے اور مرنے کے بعد سخت تکلیف اٹھاتی ہے۔ لیکن اسلام کا نور قلب میں داخل ہوتے ہی خیر و شر اور خوب و زشت ہر انسان کو ایسے صاف صاف نظر آنے لگتے ہیں جیسے دوپہر کا چمکتا ہوا سورج۔ سوچو کہ یہ کتنی وقیع بات ہے جس کے معلوم ہو جانے سے ایک آدمی کی دنیوی زندگی بھی سدھر جاتی ہے اور آخرت میں بھی وہ کامیاب رہتا ہے۔ اب غور کرو کہ اس نورِ اسلام کا منبع اور مخزن کون ہے اور کہاں ہے۔ یہ ہی ہمارے نبی مکرم ﷺ کی ہی ذات پر انوار ہے۔ اسی ذات سے یہ نور اس دنیا میں پھیلا ہے اور قیامت تک باقی رہے گا۔ غالباً اب آپ کی سمجھ میں آ گیا ہوگا کہ ہمارے حضور ﷺ کن معنوں میں نور ہیں اور حقیقتاً نور ہیں۔ لیکن یہ خیال کہ حضور ﷺ بشر نہ تھے اور حضور ﷺ کا جسم مبارک مادّی نہیں بلکہ خالص نور تھا تو یہ خیال چونکہ قرآن‘ احادیث اور امر واقعہ کے خلاف ہے اس لیے محض طفلانہ ہے۔ پڑھے لکھے آدمی ایسی باتیں نہیں کیا کرتے۔

اب میرا روئے سخن حلقہ کے ان احباب کی طرف ہے جن کا ذکر اوپر کیا گیا اور جن کو سمجھانے کے لیے یہ سب کچھ لکھنا پڑا۔ آپ لوگوں کے لیے صرف دو ہی راستے ہیں۔ یا تو آپ اپنے ان مشرکانہ عقائد سے بصدقِ دل توبہ کریں یا ہمارا حلقہ چھوڑ کر کسی ایسے حلقے میں شامل ہو جائیں اور ایسے شیخ سے بیعت کر لیں جو آپ کا ہم عقیدہ ہو۔ اگر آپ نے ایسا نہ کیا‘ زبان سے کچھ کہتے رہے اور دل میں وہی عقیدہ رکھا تو جان لیجیے کہ آپ اوّل درجے کے منافق ہیں جو کافروں سے بھی

بدتر ہوتے ہیں۔ کافر میں کم از کم یہ خوبی تو ہے کہ اپنے عقیدہ کفر کا صاف صاف اقرار کرتا ہے چھپاتا نہیں۔ یاد رکھئے منافق کا انجام بہت ہی دردناک اور عبرت انگیز ہوا کرتا ہے۔

برادران حلقہ! یہ تو تھیں ہمارے حلقے کے بنیادی عقیدے کی باتیں' اب دوسری باتوں پر بھی کچھ روشنی ڈالنا ضروری ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ میں نے تحریر و تقریر میں یہ بات ہزاروں بار کہی ہے کہ مجھے حلقہ کی تعداد بڑھانا ہرگز منظور و پسند نہیں۔ میں تو یہ چاہتا ہوں کہ حلقہ میں کم سے کم آدمی ہوں لیکن وہ سب کے سب عقیدے کے لحاظ سے پکے مسلمان اور توحیدی ہوں اور اعمال و اخلاق کے لحاظ سے اعلیٰ درجہ کے مومن۔ لیکن افسوس ہے کہ بار بار کی تاکید و تنبیہ کے باوجود ہمارے کئی خادمان حلقہ نے محض تعداد بڑھانے کے لیے بہت سے جاہل اور نا اہل لوگوں کو حلقہ میں شامل کر لیا ہے اور یہی لوگ تکلیف و فساد کا باعث ہوتے ہیں۔ دراصل ان لوگوں کو خدا کی طلب تو ہوتی نہیں محض رسماً مرید ہو جاتے ہیں یا پھر اس خیال سے حلقہ میں شامل ہوتے ہیں کہ دنیا سدھر جائے گی۔ ایسے نا اہل لوگوں کی درآمد کو روکنے کے لیے ہی میں نے یہ طریقہ مقرر کیا ہے کہ جو کوئی حلقہ میں شامل ہونا چاہے پہلے اس کو طالب بنا کر حلقہ کی تعلیم سکھا دی جائے اور برس دو برس دیکھا جائے کہ وہ کچھ کرتا ہے یا نہیں اگر وہ پکا ثابت ہو' اس میں کچھ آثار روحانیت پیدا ہو جائیں اور اس کے اخلاق کی اصلاح ہو جائے تب اس کو بیعت کر لیا جائے ورنہ نہ کیا جائے۔ اس قاعدے پر سختی سے عمل نہیں کیا گیا۔ اس لیے بہت سے آدمی حلقہ میں ایسے گھس آئے جواب دردِ سر بنے ہوئے ہیں۔ میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ ہمارے حلقہ میں اب بھی اسی فیصد آدمی اخلاق کے لحاظ سے اور پچیس فیصد آدمی اخلاق و روحانیت کے لحاظ سے نہایت اچھے اور پکے ہیں۔ مگر میری دلی خواہش یہ ہے کہ ایسے لوگوں کی تعداد جو روحانی اور اخلاقی دونوں لحاظ سے بلند مرتبہ ہوں سو فیصد ہونی چاہیے۔ اس لیے میں حلقہ کے خادموں اور مجازین کو ہدایت کرتا ہوں کہ وہ لوگوں کو حلقہ میں شامل کرتے وقت بہت ہی احتیاط سے کام لیں۔ جلدی بیعت نہ کرائیں اور اس وقت تک طالب ہی رہنے دیں جب تک کہ وہ ہمارے معیار پر پورے نہ ہو جائیں۔

# حیاتِ ارضی کی اہمیت

(محمد صدیق ڈار صاحب توحیدیؒ)

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا کیا اور اس کے اندر اپنی روح کا فیض نفخ فرما کر اسے تمام مخلوقات سے منفرد اعزاز عطا فرمایا۔ اس سے انسان میں تمام علوم سیکھنے، روحانی اور مادی عوالم کو تسخیر کرنے اور اللہ تعالیٰ کی معرفت، قرب اور دیدار حاصل کرنے کی صلاحیت پیدا ہو گئی اس کا ذکر قرآن حکیم کی سورۃ البقرہ کی آیت ۳۱ میں کرتے ہوئے فرمایا: "وَعَلَّمَ آدَمَ الْاَسْمَاءَ کُلَّهَا" یہ بات تو ہمارے علم میں ہے کہ چیزوں کے نام ان کی ظاہری ہیئت، باطنی صلاحیت اور کارکردگی کی مناسبت ہی سے رکھے جاتے ہیں۔ مثلاً چھوٹی چیزوں کو دیکھنے والی خوردبین، بارش ناپنے والے آلے کو مقیاس المطر، دو پہیوں والی سواری کو بائیسکل اور تین پہیوں والی کو ٹرائی سائیکل اور ہوا میں اڑنے والی چیز کو ہوائی جہاز کا نام دیا جاتا ہے۔ علیٰ ہذا القیاس نام کسی مناسبت سے رکھے جاتے ہیں اور یہ کام کوئی عالم فاضل اور رواقف کار ہی کرسکتا ہے قرآن کریم کے مطالعہ سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نفخ روح اور علم الاسماء کا ارتقا ایک ہی حقیقت کے دو نام ہیں اللہ تعالیٰ کی عطا کی ہوئی یہ خصوصی صلاحیت انسان کے اندر اس طرح پوشیدہ تھی جس طرح ایک ننھے بیج کے اندر ایک تناور درخت بننے کی صلاحیت چھپی ہوئی ہوتی ہے اس بیج کے اندر درخت کے پتوں اور ٹہنیوں کی شکل و شباہت، پھولوں کا رنگ اور خوشبو، پھل کا رنگ اور ذائقہ، درخت کی اونچائی، موٹائی اور پھیلاؤ الغرض ہر پہلو سے اس کا مکمل خلاصہ اور پورا خاکہ سمویا ہوا اور سویا ہوا موجود ہوتا ہے اس پوشیدہ نقشے اور خوابیدہ صلاحیت کے اظہار کے لئے ازبس ضروری ہوتا ہے کہ بیج کو خاص موسم اور مناسب مٹی میں بو کر اس کی آبیاری کی جائے پھر اس سے پیدا ہونے والے پودے کی مختلف بیماریوں، مخالف موسمی اثرات اور نقصان دہ حیوانات سے حفاظت کی جائے تاکہ بیج کے اندر جو

جوہر چھپا ہوا تھا وہ بتدریج ایک مکمل درخت کی صورت اختیار کر کے بارآور ہو جائے۔ اسی طرح اللہ کی عطا کی ہوئی جو صلاحیتیں انسانی روح کے اندر چھپی ہوئی ہیں ان کا اظہار بھی اس عالم خاک میں آئے بغیر ہرگز نہیں ہو سکتا۔ حیات ارضی انسانی روح کے امکانات کو حقیقت کا روپ دھارنے میں مدد دیتی ہے حکیم الامت یعنی علامہ اقبالؒ نے دنیا کی زندگی کو صدف یعنی سیپی کی مانند قرار دیا ہے۔ ایک خاص موسم جس میں وہ خصوصی بارش جسے ابر نیساں کہتے ہیں، برستی ہے تو سطح سمندر پر تیرتی ہوئی کھلے منہ والی سیپیوں میں اس کے قطرے داخل ہو جاتے ہیں۔ جونہی کسی سیپی میں قطرہ نیساں داخل ہوتا ہے اس کا منہ بند ہو جاتا ہے اور وہ سمندر کی تہہ میں بیٹھ جاتی ہے وہاں کچھ عرصہ گزارنے کے بعد وہ پانی کا قطرہ چمکتے دمکتے موتی کی صورت اختیار کر لیتا ہے اسی طرح انسانی روح قطرۂ نیساں کی طرح عالم روحانی سے عالم مادی میں نزول کرتی ہے اور ایک خاص مدت یعنی مقررہ عرصہ حیات کے لئے صدف ارضی میں بند کر دی جاتی ہے۔ جس طرح قطرہ آب صدف کے قید خانہ میں رہ کر آبدار موتی بنتا ہے اور قدر و قیمت پاتا ہے اسی طرح انسانی روح اللہ تعالیٰ کے حضور اسی صورت میں انعام و اکرام کی مستحق ٹھہر سکتی ہے جب وہ اس قید حیات کے دوران اپنے مالک کے دیئے ہوئے آئین کی پابند رہ کر اپنے جوہر کمال تک پہنچائے اور اس کی رضا اور خوشنودی حاصل کرے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو خلافت ارضی کے منصب کے شایان شان مطلوبہ اہلیت عطا فرما دی تھی انسان کی تخلیق سے پہلے کائنات اپنے تمام تر حسن اور رنگینیوں کے ساتھ موجود تھی لیکن کوئی ایسی ہستی موجود نہ تھی جو اس سے لطف اندوز ہو کر اس کے بنانے والے کی حمد و ثنا کرتی، کوئی اہل دل اور صاحب نظر موجود نہ تھا کہ کائنات کا حسن اس کے حساس دل کو مہمیز لگا کر محبت کی شاہراہ پر تیز گام کر سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس تربیت گاہ میں بھیجا اور یہ حقیقت واضح الفاظ میں گوش گزار کر دی کہ 'جہاں ہے تیرے لئے تو نہیں جہاں کے لئے' اس زمین اور عرش بریں کے درمیان جو کچھ بھی ہے سب تمہاری خدمت، سہولت، تربیت کے لئے بنایا گیا ہے۔ خلافت ارضی

کے منصب کا تقاضا یہ ہے کہ انسان ہر چیز کے بارے میں مکمل آگاہی حاصل کر کے فطرت کی طاقتوں پر حکمرانی کرے اسے عقل، نفس، حواس خمسہ، متوازن جسم اور مناسب اعضا کے خادموں کا ذاتی دستہ بھی مہیا کیا گیا ہے تا کہ اللہ تعالیٰ کی ہدایت کو اپنا راہنما بنا کر ان سے صحیح کام لے کر اپنی خودی کی تعمیر اور شخصیت کی تکمیل کر سکے۔ انسان کے اندر وہ مرکزی جوہر ہے جو اس کے قوائے باطنی اور حواس ظاہری کو استعمال کر کے فطرت کی پوشیدہ طاقتوں کو مسخر کرنے کی صلاحیت سے مشرف ہے، اسے علامہ اقبالؒ خودی کا نام دیتے ہیں اس کی لاہوتی پرواز اور طاقت کا دارومدار اللہ تعالیٰ کی محبت اور کلمہ لا الٰہ الا اللہ پر ہے۔ یہ باطل خداؤں کو کاٹ رکھ دینے والی ایسی تلوار ہے جس کی دھار کو آب، کلمہ طیبہ سے ملتی ہے۔ اس جوہر کی حقیقت مادی نہیں بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کے امر سے ہے اسی لئے اس کے امکانات محدود ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو چیزوں کے نام سکھا دیئے تھے اس لئے اس نے اپنی اہلیت کو بروئے کار لاتے ہوئے دنیا کی ہر چیز کو مناسب نام دیا۔ ذرا چشم تصور سے تخلیق آدم سے پہلے کا منظر دیکھئے۔ زمین کا میدان اور آسمان کا سائبان ان گنت اور انواع و اقسام کی مخلوقات سے سجا کھڑا تھا لیکن ہر چیز اپنی شناخت سے محروم اور بے نام تھی کسی جاندار اور بے جان شے کو نہ ہی خود اپنا نام معلوم تھا نہ کوئی دوسرا انہیں ان کے نام سے پکارنے والا موجود تھا۔ حضرت انسان اسماء کا علم لے کر آئے تو آتے ہی کروڑوں بلکہ اربوں چیزوں کے نام رکھے گویا ہر شے کو اس کا تشخص انسان کے توسط سے ملا اور یہ کام برابر جاری ہے۔ کیوں کہ انسان اپنے علم و تجربہ میں مسلسل اضافہ کرتا چلا جا رہا ہے۔ ہر شے کی حقیقت اور کنہ معلوم کرنے کی دھن اسے چین سے بیٹھنے نہیں دیتی اور وہ نسل در نسل متواتر کوشش کرتا ہوا خوب سے خوب تر کی تلاش میں نئی نئی ایجادات کرتا اپنی منزل کی طرف رواں دواں ہے۔ اسی میں انسان کی روح کی ترقی اور اللہ کی معرفت کے حصول کا راز پوشیدہ ہے کہ وہ اللہ اور یوم آخرت پر ایمان لائے۔ ہر مومن کے لئے ازحد ضروری ہے کہ اس کارگاہ حیات میں کسی نہ کسی میدان میں کوئی تخلیقی کارنامہ انجام دے کر اس مقدس مشن میں

انسانیت کا ہاتھ بٹائے ۔ ورنہ وہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ صلاحیتوں کو استعمال نہ کرنے کا مجرم قرار پائے گا اور قیامت کے روز اپنے حواس قویٰ کو استعمال نہ کرنے کے بارے میں پرسش کی جائے گی۔

حضور نبی کریم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے کہ وہ مومن خسارے میں ہے جس کے دو دن یکساں حالت میں گزریں ۔مومن کی تو ہر آن نئی شان ہونی چاہیے اللہ کے عشق میں یہ کیفیت حاصل ہو سکتی ہے اگر مومن اٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے اور جاگتے سوتے میں ہر وقت اللہ کو یاد رکھے انسان سے فرشتوں، حیوانات، نباتات اور اجرام فلکی جیسی اطاعت مطلوب نہیں ہے ۔اسے تو اللہ تعالیٰ نے پیدا ہی اس لئے کیا کہ یہ اللہ کو اپنا معبود اور محبوب تسلیم کر لے اور اسے اپنی محبت کا مرکز بنا کر صرف اس کا بندہ بن کر رہ جائے ۔انسان سے جس عبادت کی توقع کی جاتی ہے وہ معرفت اور محبت سے بھرپور والہانہ اطاعت کا نام ہے یہ بات کسی بھی دوسری مخلوق میں دکھائی نہیں دیتی اگر چہ کائنات کا ذرہ ذرہ اللہ کی تسبیح بیان کرتا اور اس کے احکام کا اس طرح پابند ہے کہ اس کی اطاعت سے سرمو انحراف نہیں کر سکتا لیکن انسان کے علاوہ تمام مخلوقات جمالیاتی حس سے محروم اور جذبہ عشق و محبت سے خالی ہیں ۔ان کی اطاعت ان غلاموں کی سی ہے جن کی آنکھیں اپنے آقا کے حسن جہاں آرا کو دیکھ ہی نہیں سکتیں ۔ان کے پہلو میں وہ دل ہی نہیں ہیں جو محبوب حقیقی کے جمال پر نچھاور ہو سکیں ۔اللہ کی محبت کی دولت بے بہا اور گراں بار امانت حضرت انسان کیلئے ہی مقدر ہو چکی تھی اور حیات ارضی کے اس جذبہ عشق کی پرورش اور ذوق محبت کی تربیت کے سامان مہیا کرنے والی ایک عظیم اور وسیع تربیت گاہ ہے۔

# نقوشِ مہرووفا

(فرمودات قبلہ بابا جان محمد صدیق ڈار صاحب توحیدیؒ)

(مرتب: سید رحمت اللہ شاہ)

بابا جانؒ کی محفل میں غالب کا ذکر کسی بھائی نے چلایا تو فرمانے لگے۔ان کی ہے اس ایک نظم کہ؛

یہ نہ تھی ہماری قسمت کہ وصال یار ہوتا
اگر اور جیتے رہتے، یہی انتظار ہوتا
کوئی میرے دل سے پوچھے تیرے تیرِ نیم کش کو
یہ خلش کہاں سے ہوتی، جو جگر کے پار ہوتا

■

بس یہ چلا ہے نہ آر ہوتا ہے، نہ پار ہوتا ہے۔اس نے کہا کہ یہ خلش کہاں سے ہوتی اگر یہ جگر کے پار ہوتا۔کتنا بڑا مزہ ہے۔

یہ کہاں کی دوستی ہے کہ بنے ہیں دوست ناصح
نصیحتیں کرتے ہیں کہ تو نے یہ کیا کیا ہے پیار کرکے
یہ کہاں کی دوستی ہے کہ بنے ہیں دوست ناصح
کوئی چارہ ساز ہوتا، کوئی غمگسار ہوتا

کوئی ہمارے درد کا چارہ ساز ہوتا اور یہ کہتے ہیں کہ تو کیوں پیار کرتا ہے۔سارے نصیحتیں کرتے ہیں، ہمارے غم کا چارہ ساز ہی کوئی نہیں۔آخر میں ان کا شعر ہے کہ؛

یہ مسائل تصوف یہ ترا بیان غالب
تجھے ہم ولی سمجھتے، جو نہ بادہ خوار ہوتا

بس یہ شراب پیتے ہو، ورنہ تم ولیوں کے ولی ہو۔ہمارے پیر ہو۔ہم تمہیں ولی اللہ سمجھتے۔

ایک دفعہ ہم پڑھ رہے تھے۔میں بھی کبھی کبھی باباجیؒ کے سامنے پڑھ دیتا تھا۔اُبال آتا تھا۔ میں نے یہ نظم پڑھی تو باباجیؒ نے فرمایا؛

کوئی بات نہیں غالب۔ہم تو اب بھی آپ کو ولی سمجھتے ہیں۔کوئی بات نہیں ہم تو اب بھی آپ کو ولی سمجھتے ہیں۔شراب پیتے ہو تو کیا ہے۔اللہ میاں مولوی سے پوچھے گا کہ میں اس سے دوستی کروں کہ نہ کروں؟ جس سے جی چاہے، دوستی کر لے۔وہ مولوی سے فتویٰ لے کر تھوڑا کریں گے۔ہم تو اب بھی آپ کو ولی ہی سمجھتے ہیں۔ایک وہ بھی شعر لکھا ہے؛

مے سے غرض نشاط ہے کس روسیاہ کو
اِک گونہ بےخودی مجھے دن رات چاہئے

ہمیں تو وہ چاہئے جو ایسے پلا دے۔ایسے مل جائے تب ٹھیک ہے،نہیں تو اس سے پیتے ہیں۔کہتے ہیں کہ ہمیں تو وہ چاہئے کہ اِدھر اُدھر ہلے نہیں توجہ وہاں سے ہٹے نہیں۔ہم نشاط کے لئے نہیں پیتے۔

-------

باباجیؒ (حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ) اس (مرزا غالب) کا وہ لطیفہ بھی سناتے تھے؛

مرزا صاحب کو نہیں ملی پینے کو کوئی۔ایک دو دن گزر گئے۔کپڑے نئے پہنے،وضو کیا، مسجد میں چلے گئے۔ساتھ ہی مسجد تھی۔ظہر کا ٹائم تھا۔لوگ بڑے حیران ہوئے کہ مرزا صاحب آپ۔بسم اللہ تشریف لائیے۔یہ کہنے لگے کہ ہمارا بھی خدا تو وہی ہے۔ہم آ گئے ہیں۔ سنتیں پڑھیں۔بیٹھے تھے۔ظہر کی نماز کا جماعت کا انتظار تھا۔اتنی دیر میں اُن کا کوئی شاگرد جو تھا، اسے کہیں سے پیسے ملے تو وہ بوتل لے کر حاضر ہوا ڈیرے پر۔مرزا صاحب ادھر نہیں تھے۔پتا چلا کہ مرزا صاحب تو مسجد میں چلے گئے ہیں۔اس نے کہا کہ مرزا صاحب نشے سے ٹوٹ کر اُدھر چلے گئے ہیں،تو وہ مسجد چلا گیا۔باہر دروازے سے دیکھا تو مرزا صاحب اُدھر ہی دیکھ رہے تھے۔ دروازے کی طرف۔اس نے اندر سے بوتل نکال کر جھلک دکھائی۔مرزا صاحب کو بوتل

دکھائی دی کہ آ گئی ہے۔مرزا صاحب اُٹھے، جوتی اُٹھا کے جھاڑنے لگے تو مرزا صاحب کو لوگوں نے کہا؛مرزا صاحب جماعت ہونے والی ہے آئے ہی ہیں تو فرض پڑھ کے چلے جایئے۔مرزا صاحب کہنے لگے کہ نہیں اپنا کام تو سنتوں میں ہی ہو گیا۔آپ پڑھیئے فرض۔وہ گئے مرزا صاحب۔

باباجیؒ فرمانے لگے کہ یہ کون کرسکتا ہے؟ کوئی نہیں کرسکتا ایسا۔جس کی خاص یاری دوستی ہو،وہی ایسی ادائیں کرسکتا ہے۔اور کوئی نہیں حرکت کرسکتا ایسی۔

-------

باباجیؒ (حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ) ایک اور ایسی ہی سنایا کرتے تھے؛

فقیر تھا ایک۔اس کی بکری یا جانور تھے کوئی۔وہ ان کے لئے گھاس کاٹنے گیا۔ہوا ایسی تھی کہ گھاس کاٹ کے اِدھر رکھی،ایک جھونکا آتا اور وہ اُڑ جاتی۔وہ گھاس ہی ایسی تھی۔پتلے پتلے تنکے تھے،وہ اُڑ جاتی ساری۔دیکھتا جائے کہ کیسے اکٹھی کرے ساری۔اس بزرگ کا روزہ بھی تھا۔وہ پھر کاٹتے رہتے۔پانچ،دس منٹ میں پھر ہوا کا جھونکا آتا اور وہ گئی گھاس۔اُنہوں نے کہا ،یہ کیا ہے؟مذاق کافی ہے۔میں نے روزہ بھی رکھا ہوا ہے۔بس ہو گیا مذاق۔مجھے کاٹ بھی لینے دو گرمی بھی ہے۔پھر کاٹا اُنہوں نے۔پھر وہی جھونکا آتا اور وہ اُڑی۔ساتھ پانی بہہ رہا تھا۔اُدھر گئے۔جا کے روزہ توڑا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْم۔

اور کہا کہ لو جی سرکار ہم حاضر۔ہم کاٹتے رہتے ہیں اور آپ بکھیرتے رہیں۔ہم کاٹتے رہتے ہیں اور آپ بکھیرتے رہیں۔

عام بندہ یا مولوی ایسی بات نہیں کرسکتا۔پیار والے ہی ایسی بات کوئی کرسکتے ہیں۔ بڑی اچھی باتیں ہیں،بس کبھی کبھی یاد آجاتی ہیں۔(باباجان قبلہ محمد صدیق ڈار صاحب توحیدیؒ نے مجھ سے کہا کہ بڑی اچھی باتیں ہیں،ان کو لکھ ہی لینا چاہیئے،کہیں ملفوظات میں ان کو ڈال ہی دیا جائے۔)

تعارفی کتابچہ کی بات ہوئی۔بابا جانؒ فرمانے لگے کہ بابا جیؒ (حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ) کا مشن سارا لکھا جائے۔کیسے شارٹ کیا؟ کیوں کیا؟ اس کی انفرادیت کیا ہے؟ سلسلہ توحیدیہ کے بارے میں سارا کچھ لکھا جائے کہ ہمارا Aim کیا ہے؟ اس کے بارے میں کیا کہا؟ اور کیسے یہ قرآن وسنت کے مطابق ہے۔مختصر ذکر ہے۔بیعت Purposeful ہے۔یہ سارا کچھ لکھا جائے۔

-------

بابا جانؒ ایک دفعہ فرمانے لگے کہ یہ اللہ اللہ کرتے رہو۔بابا جیؒ (حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ) بھی کہتے تھے کہ مرشد کا کام ہے تمہارا تعلق بنا دینا۔وہ (اللہ) بھی کہتا ہے کہ تم مجھے یاد کرو، میں تمہیں یاد کروں گا۔تم ایک دفعہ یاد کرو، میں دس دفعہ یاد کروں گا۔(بابا جی حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاری صاحبؒ) کہتے تھے کہ ہم تو دوائی نہیں دیتے، ہم تو نسخہ دیتے ہیں۔کرو خود بھی اپنے لئے بھی دعا کرو، لوگوں کے لئے بھی کرو۔تمہیں Connection دے دیا۔اب کرو باتیں اللہ سے۔اپنے لئے بھی کرو، لوگوں کے لئے بھی کرو۔وہ بڑا زبردست کام تھا ورنہ بندہ ساری عمر کرتا رہے، پڑھتا رہے، پھر بھی بات وہ تعلق والی محسوس نہیں ہوتی۔اس سے یہ ہے کہ آدمی کو پتا چل جاتا ہے۔

بابا جانؒ نے فرمایا کہ آپ لوگ گپ شپ کریں، اندر کوئی دو چار Ladies آئی ہوئی ہیں۔ان میں سے ایک دو تو نئی بیعت ہونے والی بھی ہیں۔ان کو میں نے کہا کہ اجتماع گزر جائے تو پھر آپ کو بیعت کریں گے۔اب فارغ ہوں تو کہا کہ اتوار کو آجاؤ، اب وہ آئی ہیں حساب کتاب تو مردوں، عورتوں سب کا اکیلے اکیلے ہونا ہے۔وہاں تو فیملی ساتھ نہیں جاتی۔اکیلا اکیلے ہونا ہے سب سے۔ان سے بھی وہی پوچھ ہوتی ہے۔جو فرض بندوں پر ہیں، عورتوں پر بھی وہ ہیں۔وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ (سورۃ الاحزاب ۳۳۔آیت ۳۵) کثرت سے ذکر کرنے والے مرد اور کثرت سے ذکر کرنے والی عورتیں۔سب کے لئے ہے۔

چلو ٹھیک ہے، سب کی اصلاح ہو جائے۔ سب کو کرنا چاہئے۔

مرکزِ تعمیرِ ملت پر ایک ہومیو پیتھک ڈسپنسری کچھ عرصہ چلتی رہی۔ ہفتہ وار دن مخصوص تھے جب ڈاکٹر صاحب ڈسپنسری میں بیٹھتے اور مریض آتے تھے۔ ڈسپنسری کا کمرہ مخصوص تھا۔ اس کمرے کے باہر لکڑی کے دو بینچ رکھے ہوئے تھے جن پر مریض آ کر بیٹھتے اور ایک ایک کر کے اپنا چیک اپ کراتے، دوائی لیتے، اور چلے جاتے۔ برآمدے میں دوسری طرف بابا جانؒ ہر روز اپنا دفتر لگا کر بیٹھتے تھے۔ ایک مرتبہ قبلہ بابا جانؒ کا دفتر اسی طرح لگا ہوا تھا۔ وعظ و نصیحت کا سلسلہ جاری تھا۔ برآمدے میں موجود سب کرسیوں پر بھائی بیٹھے ہوئے تھے۔ اسی دوران کچھ مزید بھائی آ گئے۔ بابا جانؒ نے ڈسپنسری کے باہر رکھے ہوئے بینچ کی طرف اشارہ کیا کہ یہ ادھر ہی لے آؤ۔ فرمانے لگے کہ آج کل مریض کم ہی آ رہے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ ٹھیک ہو گئے ہیں سارے۔ یا آگے چلے گئے ہیں۔ کہتے ہیں ناں جی کہ ہمارے مریض کبھی واپس آئے نہیں مڑ کے۔ انہوں نے واپس کس لئے آنا ہے؟ جو گیا، سو گیا۔ اچھے ڈاکٹر جو ہیں وہ قبرستان کے نزدیک ہی کلینک کھول لیتے ہیں۔ (قہقہے)

-------

ہم لوگ برآمدے میں بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ کافی دیر سے لائیٹ نہیں تھی۔۔ مرکز پر موجود ملازم بچے نے آ کر کہا کہ آج لائیٹ نہیں آ رہی۔ بابا جانؒ نے کہا کہ چلو کوئی بات نہیں آ ہی جائے گی۔ وہ واپس چلا گیا۔ بڑی دیر بعد لائیٹ آئی۔ اس ملازم بچے نے آ کر کہا کہ لائیٹ آ گئی ہے۔ بابا جانؒ نے اس ملازم بچے کو جواب دیا کہ ہاں جی آ گئی ہے۔ وہ چلا گیا۔ ہم اپنی باتیں کرتے رہے۔ تھوڑی دیر بعد لائیٹ دوبارہ چلی گئی۔ وہ ملازم بچہ دوبارہ آ کر ہماری باتوں کے دوران کہتا ہے کہ لائیٹ پھر چلی گئی۔ بابا جانؒ اس کی طرف متوجہ ہو گئے اور مزاح کے انداز میں فرمانے لگے کہ پھر کیا کریں؟ شاہ جی کو بھیج دیں؟ ان سے ڈرتی ہے، شرما رہی ہے۔ (قہقہے)

ملتان سے مجلّہ فلاحِ آدمیت کے لئے تحریریں آئیں تو ان میں خالد بخاری صاحب نے باباجانؒ کے دورہ ملتان کے دوران ہونے والی گفتگو پر مشتمل ایک مضمون بھیجا۔احمد رضا خان صاحب نے بتایا کہ یہ بخاری صاحب نے موبائل میں ریکارڈ کر کے لکھ کر بھیجا ہے۔باباجانؒ نے فرمایا کہ ایسا لگ رہا تھا جیسے ریکارڈنگ سے لکھا گیا ہو۔احمد رضا صاحب نے پوچھا کہ آپ کو وہاں پتا نہیں چلا کہ ریکارڈنگ ہو رہی ہے؟باباجانؒ نے فرمایا کہ مجھے کیسے پتا چلتا،میرا کوئی خون کھینچا جا رہا تھا کہ مجھے پتا چلتا۔بس انہوں نے کر ہی لی ریکارڈنگ۔جہاں مرضی رکھ دو، ریکارڈنگ تو ہو ہی جاتی ہے۔اب پوچھتے تھوڑی ہیں پہلے۔

--------

قبلہ باباجانؒ سالانہ دورہ کے موقع پر شجاع آباد بیٹھے ہوئے تھے۔پیر خان صاحب کا فون آیا،انہوں نے عتیق عباسی صاحب کی بیگم صاحبہ کی وفات کی اطلاع دی۔باباجانؒ بتا رہے تھے کہ فیصل خان صاحب کی دعوت ولیمہ میں شرکت کی۔اسی طرح کچھ مزید حال احوال فون پر ہوئے۔فون کال ختم ہوئی تو جناب محمد یعقوب صاحب نے باباجانؒ کو بتایا کہ اندر کچھ خواتین ملنے آئی ہیں۔باباجانؒ فرمانے لگے کہ کہاں سے نکل گئیں؟ دروازے پر تو ہم بیٹھے ہیں،کدھر سے آ گئیں؟جناب محمد یعقوب صاحب توحیدی نے کہا کہ میرا خیال ہے آپ کے باہر آنے سے پہلے ہی وہ اندر چلی گئی ہیں۔باباجانؒ حاضرین سے اجازت لے کر ان سے ملاقات کے لئے گئے۔

--------

مرکز تعمیر ملت پر ملاقات کے لئے آنے والے بھائیوں نے قبلہ باباجانؒ کے سالانہ دورہ کی بات کی کہ بڑا کامیاب رہا ہے۔باباجانؒ نے دریافت کیا کہ کون سے دورے کی بات کر رہے ہیں؟ بھائی نے جواب دیا کہ ملتان والا۔فرمانے لگے کہ سرکاری دورے جو ہیں یہ سارے ہمیشہ کامیاب رہتے ہیں۔وزیر صاحب جائیں یا صدر صاحب جائیں۔دورہ کامیاب رہتا ہے۔اب وہ بھلے کپڑے اتروا کے تلاشی کرتے رہے ہوں، جو ہمارا ہوتا ہے مگر دورہ اچھا رہتا ہے کہ

کامیاب ہوا۔ یہ تو جی کامیاب ہی کامیاب ہیں۔ اللہ کے لئے گئے تھے۔ اللہ کی بات کی تھی۔ وہاں لوگ آ گئے، نئے دوستوں سے بات کی۔ یہ تو دورے کامیاب ہی ہوتے ہیں۔

-------

قبلہ باباجانؒ سے ملنے کے لئے مہمان آئے ہوئے تھے جو وہاں موجود ہم بھائیوں سے واقف نہیں تھے اور نہ ہی ہم ان سے ملے تھے۔ باباجانؒ فرمانے لگے کہ آپس میں تعارف کرا دیا کریں آگے ان کا بھی کوئی نام پتہ پوچھیں۔ سب اپنا اپنا تعارف کرائیں۔ سب کو ملیں۔ پہلے یہ کام ہونا چاہئے، تعارف۔ تعارف شروع ہوا۔

میں ایلیٹ کالج میں پڑھاتا ہوں، احمد رضا میرا نام ہے۔ باباجانؒ فرمانے لگے کہ یہ ہمارے مجلّہ کے ایڈیٹر ہیں۔ فلاحِ آدمیت جو یہاں سے چھپتا ہے۔ رحمت اللہ شاہ۔ یہ پنجاب یونیورسٹی میں لائبریرین ہیں۔ پی ایچ ڈی کے لئے جا رہے ہیں سویڈن۔ احمد رضا خان صاحب نے کہا کہ مجھے اب پتا چلا ہے۔ قبلہ باباجانؒ فرمانے لگے کہ چلو جی وہاں سے اب آپ ہمیں لکھا کریں گے جیسے پہلے آتا تھا، ملائشیا کے احوال۔ کوئی نہ کوئی Change ہوتے رہتے ہیں حالات، چلتے رہیں گے انشاءاللہ۔ نالج میں اضافہ ہوگا۔ اچھے لوگ جو ہیں وہ نقشہ ایسے کھینچتے ہیں کہ آپ کو وہاں ساتھ ہی لے جاتے ہیں۔ آدمی تھوڑا اپنے Self سے باہر نکلتا ہے۔ پتا چلتا ہے کہ لوگ کیسا کرتے ہیں۔ بہت کچھ پتا چلتا ہے، بند ہو کر ہی نہ رہ جائیں کہ یہی کچھ ہے سب کچھ، باقی سب غلط ہیں، صرف یہی صحیح ہے۔ بات کریں۔ دیکھیں لوگ کیسے رہتے ہیں۔ عالم اسلام میں دیکھیں کہ لوگ نمازیں کیسے پڑھ رہے ہیں۔ کوئی ہاتھ چھوڑ کے نماز پڑھ رہا ہے، کوئی ہاتھ باندھ کے نماز پڑھ رہا ہے، سارے مل کر نماز پڑھ رہے ہیں۔ کوئی لڑائی نہیں کرتے۔ آپس میں جھگڑا نہیں کرتے۔

# مجالسِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

(طالب الہاشمی)

سید الانام رحمتِ عالم ﷺ کی مجالس خیروبرکت، متانت، وقار اور حلم و علم کا مظہر ہوتی تھیں۔ ان میں ہمیشہ حکمت و ہدایت، اخلاق، اعمال، تصفیہ قلب اور تزکیہ نفس کی باتیں ہوتی تھیں۔ حاضرینِ مجلس سر جھکا کر اس طرح مودب بیٹھتے تھے، گویا ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہوں، (کانما علی رؤسہم الطیر) مشہور صحابی حضرت عروہ بن مسعود ثقفی رضی اللہ عنہ (قبول اسلام سے پہلے) قریش مکہ کی طرف سے (صلح حدیبیہ کے موقع پر) سفیر بن کر رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے مجلس نبوی میں صحابہ کرامؓ کی حضور سے عقیدت کے مناظر دیکھے تو ششدر رہ گئے۔ قریش کے پاس واپس گئے تو ان سے کہا:

''برادرانِ قریش! میں دنیا کے بڑے بڑے فرمانرواؤں (قیصر روم، کسریٰ ایران، نجاشی حبشہ) کے درباروں میں گیا ہوں لیکن محمد ﷺ کی مجلس میں جو مناظر میں نے دیکھے اور کہیں نہیں دیکھے۔ محمد ﷺ تھوکتے ہیں تو ان کے ساتھی اسے ہاتھ پر لیتے ہیں اور اپنے چہرے اور جسم پر مل لیتے ہیں۔ محمد ﷺ وضو کرتے ہیں تو یہ لوگ مستعمل پانی کے ایک ایک قطرے پر اس طرح ٹوٹ پڑتے ہیں جیسے آپس میں لڑ مریں گے۔ محمد ﷺ کوئی حکم دیتے ہیں تو ہر شخص اس کے بجا لانے میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانا چاہتا ہے۔ ان کے سامنے کوئی شخص اپنی آواز بلند نہیں کرتا اور نہ ان کی طرف آنکھ بھر کر دیکھتا ہے۔''

یہ مجالس نبویؐ کی ایک ہلکی سی جھلک تھی لیکن ان ساری باتوں کے باوصف ان مجالس میں خشکی اور افسردگی کی کیفیت نہیں ہوتی تھی۔ حضور ﷺ حاضرین سے نہایت خندہ روئی سے

گفتگو فرماتے تھے۔بعض اوقات آپ ﷺ کا لطف طبع ساری مجلس کو شگفتہ کر دیتا۔ایسے موقعوں پر بعض صحابہ کرام بھی پاکیزہ مزاح اور ظرافت کی باتیں کر لیتے جن سے ان کے دوسرے ساتھی خوش ہوتے اور حضور ﷺ بھی متبسم یا خنداں ہو جاتے۔کبھی کبھی زمانہ جاہلیت کی باتیں بھی چھڑ جاتی تھیں اور اس زمانے کے بعض واقعات اور شخصیات بھی موضوع گفتگو بن جاتے تھے۔حضور ﷺ کی مجالس میں ہر ایک شخص کو اس کے رتبہ کے مطابق مناسب جگہ ملتی اور کسی شخص کو یہ محسوس نہ ہوتا کہ دوسرے شخص نے اس سے زیادہ عزت پائی ہے۔مجالس میں بولنے والوں کو آپ ترتیب کے لحاظ سے گفتگو کی اجازت دیتے تھے۔یہ ترتیب مال و دولت اور نام و نسب کی بنا پر ہوئی تھی۔ سب سے پہلے آپ حاجت مندوں کی طرف توجہ فرماتے اور سب کی حاجتیں پوری کرنے کا اہتمام فرماتے۔اگر کوئی شخص گفتگو کر رہا ہوتا تو حضور ﷺ اس کی باتیں توجہ سے سماعت فرماتے اور جب تک وہ اپنی گفتگو ختم نہ کر لیتا' آپ ﷺ اس کی بات نہ کاٹتے۔جو بات آپ ﷺ کو ناپسند ہوتی تو اس کو حلم کے ساتھ برداشت فرماتے اور نظر انداز کر دیتے ہاں اگر ضروری سمجھتے تو نرمی سے اس کا جواب دے دیتے۔مجلس میں شریک ہر شخص سے مزاج پرسی فرماتے اور اس سے دریافت فرماتے کہ کوئی ضرورت اور حاجت تو نہیں ہے۔آپ ﷺ نے سب صحابہ کو تاکید کر رکھی تھی کہ عیوب آپ تک نہ پہنچائیں البتہ اگر کوئی شخص حاجت مند ہو یا کسی مصیبت میں ہو لیکن کسی وجہ سے براہ راست آپ تک نہ پہنچ سکتا ہو تو آپ ﷺ کا حکم تھا کہ جن لوگوں کو اس کے حال کی خبر ہو وہ اس سے آپ کو ضرور آگاہ کریں۔

مجالس نبوی میں حاضر ہونے والوں کیلئے کوئی روک ٹوک نہ تھی۔بعض اوقات تو دیہات سے آنے والے بدو (اعرابی) بڑے درشت لہجے میں گفتگو کرتے تھے لیکن آپ ان سے اتنی محبت اور شفقت کے ساتھ گفتگو فرماتے تھے کہ وہ آپ کے گرویدہ ہو جاتے تھے۔قرآن حکیم میں آپ ﷺ کے حسن اخلاق کو ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔

اے نبی ﷺ! یہ اللہ کی بڑی رحمت ہے کہ تم ان لوگوں کے لیے بہت نرم مزاج واقع ہوئے ہو ورنہ اگر تم تند خو اور سنگ دل ہوتے تو یہ سب (اکھڑ لوگ) تمہارے گردو پیش سے چھٹ جاتے۔)

حضور ﷺ کی مذکورہ مجالس بالعموم مسجد نبوی میں نماز فجر کے بعد منعقد ہوتی تھیں۔ شروع شروع میں نماز فجر کے بعد آپ مسجد کے چھوٹے سے صحن میں صحابہؓ کے درمیان بیٹھ جاتے اور تعلیم و تلقین کا سلسلہ جاری ہو جاتا۔ باہر سے کوئی اجنبی آتا تو اس کو آپ ﷺ کے پہچاننے میں دقت ہوتی۔ بعد میں صحابہ کرامؓ نے ایک چھوٹا سا مٹی کا چبوترہ بنا دیا۔ آپ ﷺ اس پر رونق افروز ہوتے اور چبوترے کے دونوں اطراف صحابہ کرام ﷺ حلقہ باندھ کر بیٹھ جاتے۔ بعض روایتوں کے مطابق حضور ﷺ ہر نماز کے بعد مسجد میں ٹھہر جاتے اور مجلس قائم ہو جاتی۔

حضور ﷺ کی تعلیم و ہدایت کا فیض ان مجالس تک محدود نہ تھا بلکہ یہ سفر ہو یا حضر، خلوت ہو یا جلوت، دن ہو یا رات ہر وقت جاری رہتا تھا البتہ اس سے براہِ راست فیض یاب وہی لوگ ہوتے تھے جو آپ کے پاس موجود ہوتے تھے۔ تاہم یہ نفوس قدسی حضور ﷺ کے احکام و ارشادات غیر حاضر لوگوں تک پہنچا دیتے تھے۔ رحمت عالم ﷺ نے خواتین کے لیے ایک خاص دن مقرر کر دیا تھا جس میں صرف خواتین ہی مجلس نبوی میں حاضر ہو سکتی تھیں۔ مجالس نبوی ﷺ کی چند جھلکیاں ملاحظہ ہوں۔

حضرت واثلہ بن خطاب بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ تشریف فرما تھے کہ ایک شخص آپ ﷺ کے پاس آئے۔ آپ ﷺ ان کے لیے اپنی جگہ سے کھسک گئے۔ انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! (آپ اپنی جگہ تشریف رکھیں میرے بیٹھنے کے لیے) جگہ میں کافی گنجائش ہے۔ آپ نے فرمایا: مسلمان کا یہ حق ہے کہ جب کوئی بھائی اس کو (اپنے پاس آتا) دیکھے تو اس کے لیے اپنی جگہ سے کچھ ہٹے اور اپنے قریب بٹھائے۔

ایک دن حضورﷺ صحابہ کے ساتھ مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے کہ تین آدمی آئے۔ ان میں سے ایک نے مجلس میں تھوڑی سی جگہ خالی پائی وہیں بیٹھ گئے۔دوسرے کو درمیان میں کوئی جگہ خالی نظر نہ آئی تو سب کے پیچھے بیٹھ گئے۔تیسرے صاحب کوئی جگہ خالی نہ پا کر واپس چلے گئے۔حضورﷺ نے ان تینوں کے بارے میں فرمایا: ان میں سے ایک نے اللہ کی پناہ لی' اللہ نے بھی اس کو پناہ دی' ایک نے حیا کی اللہ نے بھی اس سے حیا کی۔ایک نے اللہ سے منہ پھیرا (یعنی ایک ایسی مجلس سے منہ پھیرا جس میں اللہ کا ذکر ہو رہا تھا) اللہ نے بھی اس سے منہ پھیر لیا۔

حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے ایک روز فجر کی نماز کے بعد ایک بلیغ وعظ کیا جس سے آنکھیں اشک بار ہوگئیں اور دل کانپ اُٹھے۔
(جامع ترمذی)

ایک روز صحابہ کرام نے مسجد میں دو حلقے بنا لیے ایک حلقہ قرآن خوانی اور ذکرو اذکار میں مشغول ہو گیا اور دوسرا حلقہ مسائل دین کی تعلیم و تعلم میں۔اتنے میں رسول اکرمﷺ مسجد میں تشریف لائے۔آپﷺ نے فرمایا: دونوں حلقے اچھے ہیں کہ عمل خیر میں مشغول ہیں لیکن دوسرا پہلے سے افضل ہے کہ وہ خود بھی علم سیکھتے ہیں دوسروں کو بھی سکھاتے ہیں۔اللہ تعالی نے مجھ کو مُعلم بنا کر مبعوث کیا ہے۔یہ فرمایا کہ آپ دوسرے حلقے میں جا کر بیٹھ گئے۔
(مُسند دارمی' سنن ابن ماجہ)

بعض دفعہ آنحضورﷺ حاضرین مجلس سے کوئی سوال پوچھ لیتے جس سے ان کی ذہانت اور اصابتِ رائے کا اندازہ ہوتا۔حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ رسول اللہﷺ نے پوچھا: وہ کون سا درخت ہے جس کے پتے جھڑتے نہیں اور جو مسلمانوں سے مشابہت رکھتا ہے۔دوسرے سب لوگوں کا خیال جنگلی درختوں کی طرف گیا مگر میرے ذہن میں آیا کہ یہ کھجور کا درخت ہوگا۔اس وقت میں کم سن تھا اس لیے حضورﷺ کے

سوال کا جواب دینے کی ہمت نہ پڑی ۔با لآخر لوگوں نے عرض کیا ٔیا رسول اللہ! آپ ہی بتائیں۔ آپ نے فرمایا: کھجور کا درخت ٔحضرت عبداللہ کو تمام عمر حسرت رہی کہ کاش میں حضورﷺ کے سوال کا جواب دینے کی جرات کرسکتا۔(سُنن ابن ماجہ)

۹ ہجری (بروایت دیگر ۷ہجری) کا ذکر ہے کہ ایک دن رسول اکرمﷺ معمول کے مطابق اپنی مجلس میں رونق افروز تھے کہ ایک اعرابی بدو یانہ سادگی کے ساتھ مدینہ منورہ میں وارد ہوئے اور اپنی سواری (اونٹ یا اونٹنی) کی مہار تھامے بلا تکلف مسجد نبوی میں آ پہنچے سواری کو مسجد کے دروازے پر باندھا (براویت دیگر مسجد کے ایک کونے میں بٹھایا) اور پھر مجلس کے قریب پہنچ کر بغیر سلام وکلام کے یوں گویا ہوئے۔

''آپ لوگوں میں ابن عبدالمطلب (بروایت دیگر محمدﷺ) کون ہیں؟

صحابہ کرامؓ نے حضورﷺ کی طرف اشارہ کرکے بتایا۔یہ گورے رنگ کے جو ٹیک لگائے بیٹھے ہیں

اعرابی نے کہا: اے ابن عبدالمطلب! میں آپ سے نہایت سختی سے سوال کروں گا آپ برا تو نہ منائیں گے (ناراض تو نہ ہوں گے)

حضورﷺ نے فرمایا: تم جو کچھ پوچھنا چاہتے ہو بلا تکلف پوچھو:

اس کے بعد اعرابی نے بڑے سخت (بدویانہ) لہجے میں حضورﷺ سے دس یا بارہ سوال کیے مثلاً کیا واقعی اللہ نے آپ کو پیغمبر بنا کر بھیجا ہے' آسمان کس نے بنایا' زمین کس نے قائم کی اُس پر پہاڑوں کو کس نے قائم کیا۔آپ نے جو قاصد (مُبلغ) ہمارے قبیلے کی طرف بھیجا تھا اس نے ہم سے کہا کہ ہم پر پانچ نمازیں' ایک ماہ (رمضان) کے روزے' اپنے مالوں پر زکوٰۃ' سواری اور زادِراہ میسر ہو تو بیت اللہ کا حج فرض ہے' کیا اس نے سچ کہا؟ اور کیا اللہ نے آپ کو حکم دیا ہے کہ ہم اسی کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں۔

یہ اعرابی ہر سوال حضور ﷺ کو ''آپ کے اللہ'' اور ''اگلے پچھلوں کے اللہ'' کی قسم دلا کر پوچھتے تھے اور آپ ہر سوال کا جواب بڑی نرمی کے ساتھ دیتے تھے۔ اپنے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ واقعی اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنا رسول بنا کر بھیجا ہے۔ کائنات کی تمام چیزیں (انسان حیوان آسمان زمین پہاڑ وغیرہ) سب اللہ نے ہی پیدا کی ہیں۔ اسی نے اپنی عبادت کا حکم دیا ہے اور اپنے ساتھ کسی کو شریک کرنے سے منع کیا ہے۔ ہمارے فرستادہ مبلغ نے جو کچھ تمہارے قبیلے سے کہا سچ کہا۔

سوال و جواب کے بعد اعرابی نے کلمہ شہادت پڑھا اور اہل مجلس کو بتایا کہ میرا نام ضمام بن ثعلبہ ہے اور میں بنو بکر بن سعد کی طرف سے آیا ہوں۔ (بروایت دیگر انہوں نے سوال و جواب سے پہلے ہی اپنا تعارف کرا دیا تھا۔)

پھر انہوں نے حضور کی خدمت میں عرض کیا 'اُس ذات کی قسم جس نے آپ کو سچا نبی بنا یا ہے' میں ان باتوں پر جو آپ نے مجھے بتائی ہیں ذرہ برابر کمی بیشی نہ کروں گا۔ یہ کہہ کر وہ اسی وقت واپس چل پڑے۔ حضور ﷺ نے صحابہ سے فرمایا: اگر یہ شخص سچ کہہ رہا ہے تو ضرور جنت میں داخل ہوگا۔

ضمامؓ نے اپنے قبیلے میں واپس جا کر ایسے موثر انداز میں اسلام کی تبلیغ کی کہ سارا قبیلہ مشرف بہ اسلام ہوگیا۔ (صحیحین' اسد الغابہ' طبقات ابن سعد)

# حاجی رود بہ کعبہ

(طارق محمود)

حاجی رو د بہ کعبہ و من طالب دیدار

او خانہ ہمی جوید و من صاحب خانہ

(حاجی کعبہ کے لیے جاتا ہے جب کہ مجھے اس کے دیدار کی طلب ہے۔ اسے گھر کی جستجو ہے اور مجھے صاحب خانہ کی)

''سلسلہ عالیہ توحیدیہ راولپنڈی کے بھائی طارق محمود صاحب حال ہی میں پاکستان اٹامک انرجی کمیشن سے ڈپٹی چیف سائنٹسٹ کی حیثیت سے ریٹائر ہوئے ہیں۔ سال رواں حج کی سعادت سے بہرہ ور ہوئے جس کے دوران پیش آنے والے معاملات کی منظر کشی اور ذاتی محسوسات و کیفیات پر مبنی ان کی یادداشتیں یقیناً قارئین کے لیے دلچسپی کا باعث ہوں گی۔''

**ارادہ حج :** سرکاری ملازمین عام طور پر حج کو ریٹائرمنٹ تک ملتوی کیے رکھتے ہیں۔ یہی معاملہ اپنے ساتھ بھی رہا۔ حج سے وابستہ مشکلات کے بارے میں بھی سن رکھا تھا، موسم کی شدت اس پر مستزاد، دو دفعہ انجیو پلاسٹی کے نتیجے میں پانچ Stent پڑ چکے تھے، اس لیے فریضہ حج شدید خواہش کا روپ نہ دھار سکا تھا لیکن ریٹائرمنٹ کے بعد اس سے پہلو تہی کا کوئی جواز باقی نہ رہا۔ حج بدل کی گنجائش کا فائدہ اٹھانے کے لیے بھی سہل پسند طبیعت بہانے ڈھونڈ رہی تھی۔ اہلیہ کے شدید اصرار کو ٹالنے اور ایک دو سال کا التوا مل جانے کی امید میں سرکاری حج سکیم 2019 میں درخواست گزار دی۔ سرکاری سکیم کے اخراجات میں غیر معمولی اضافے اور حاجیوں کا کوٹہ بڑھ جانے کی وجہ سے قرعہ اندازی میں نام آ ہی گیا۔ اگر چہ اضافی خرچ کر کے پرائیویٹ پیکیج بھی لیا جا سکتا تھا پر اس کے لیے بر وقت پلاننگ کی ضرورت تھی جو یقیناً نہیں کی گئی تھی۔ لہٰذا اب سرکاری سکیم ہی میں جانے کے علاوہ کوئی صورت باقی نہ رہی۔

**حج کی تیاری**: سفر آخرت کی تیاری کی طرح، حج کی تیاری کو ٹالتے ٹالتے آخری جمعہ بھی آ گیا۔اتوار کی صبح فلائیٹ تھی۔کچھ سامان لینا باقی تھا جس کے لیے ہفتہ کا دن رکھا ہوا تھا۔عین اس روز تاجر برادری نے ہڑتال کا پروگرام بنالیا۔جمعہ کی شام جو کچھ مل سکا لے لیا، ہفتہ کے روز معمول کی پہاڑی علاقوں کی سیر بھی مکمل کی کہ اس دفعہ مون سون کا بیشتر وقت حرمین شریفین میں گزارنا تھا۔وزارت حج کے دو ٹریننگ سیشن ہوئے، میں نے بس حاضری کی حد تک شرکت کی۔حج پر دستیاب کتب کی موجودگی میں کسی ٹریننگ کی خاص ضرورت محسوس نہیں ہوئی۔ ویسے بھی ٹریننگ کے اثرات تو vaccinationاور پاسپورٹ وصولی کے موقع پر ہی بد نظمی کی صورت میں واضح ہو گئے تھے۔اسباب ظاہری سے کہیں زیادہ اہم ذہنی اور روحانی تیاری تھی جس کے بغیر Negative Marking سے بھی واسطہ پڑ سکتا تھا۔پہلی دفعہ 1999 میں عمرہ پر جانے کا موقع ملا۔انٹرنیشنل اٹامک انرجی ایجنسی کی ویانا میں میٹنگ کے بعد عمرہ کا پروگرام بنایا۔ ایک مہینہ کی چھٹی لی کیوں کہ رمضان شروع ہونے میں چند دن باقی تھے۔ویزہ کا انتظام بھی معجزاتی طور پر ایک دن میں ہو گیا۔یورپ کے نظم وضبط میں گندھے ہوئے ماحول کو پہلی دفعہ دیکھ کے آنکھیں چندھیائی ہوئی تھیں۔دفاتر میں آمدورفت کے موقع پر باوجود رش کے، کوئی دھکم پیل نہیں دیکھی، انگلی بھی دوسرے شخص کو چھو جائے تو فوری معذرت، خریداری کے لیے جائیں تو ایک دام، وقت کی پابندی ایسی کہ آٹھ بجکر تیرہ منٹ پر ٹرین چلنی ہے تو بارہ منٹ اور 60 سیکنڈ ہوتے ہی روانہ، صفائی کا معیار ایسا کہ کہیں کوئی پرزہ پڑا نہ ملے۔

سعودی عرب پہنچتے ہی ایک بدو سے پالا پڑا، اونٹوں سے ٹیکسیوں تک تو آ گئے ہیں پر مزاج وہی، مکہ پہنچ کر کمرے کے لیے بھاؤ تاؤ کی کوفت۔رمضان میں سنا تھا کہ ہر عشرے میں ریٹ پہلے سے دگنا ہو جاتا ہے۔حرم میں دوران طواف کہنیاں، دھکے تو خیر ایک تسلیم شدہ قباحت ہے جو کسی شرعی تعزیر کے لاگو نہ ہونے کی وجہ سے قابل غور بھی نہیں سمجھی جاتی۔صفائی کو نصف ایمان

سمجھنے والے اپنے مقدس ترین مقامات کو بھی صاف رکھنے سے معذور پائے۔ مسجدِ نبوی میں ریاض الجنہ میں جگہ کے لیے دھکم پیل، گردنیں پھلانگنا جس سے خطبہ روک کر حضور ﷺ نے منع کیا۔ مقاماتِ مقدسہ کا جو تصور ذہن میں تھا اسکو بھی شدید دھچکا لگا کہ ہر شے جدیدیت کی نظر ہو چکی۔ آلِ سعود نے ''جو نقش کہن تم کو نظر آئے مٹا دو'' پر خوب عمل کیا۔ مندرجہ بالا وجوہات نے کچھ اتنا دلبرداشتہ کیا کہ مدینے سے واپس مکہ آتے ہوئے عمرہ بھی نہیں کیا اور چھٹے دن واپسی کی راہ لی۔ عمرہ کی روداد سن کر اکثر کہنے والوں نے کہا آئندہ وہاں جانا تمھیں شاید ہی نصیب ہو۔ یہ الگ بات کہ یہ کیفیات کسی گستاخی پر مبنی نہیں تھیں۔ اگلے سال یعنی 2000ء میں پھر ایک میٹنگ کے سلسلے میں ویانا اور سعودی عرب جانے کا چانس ملا اور پہلا روز مدینہ میں رکھا۔ اس بار تنقید کی آنکھ بند رکھ کے پندرہ روز قیام کیا۔ تیسری بار 2013 میں دو میٹنگ کے درمیانی وقفہ میں جو تقریباً 20 دن بنتے تھے، پاکستان سے ویزا، Ex pakistan leave غرض کچھ بھی تیاری نہیں تھی، لیکن ویانا پہنچتے ہی ایک پاکستانی سے ملاقات کے نتیجے میں صرف چار دن میں Ex pakistan leave۔ پھر عمرے کا ویزا بھی لگ گیا جو بظاہر ناممکنات میں سے تھا۔ ان تین تجربات کی بنا پر عمرے کے ماحول سے تو مطابقت سیکھ چکا تھا، پر حج کا معاملہ عمرے سے خاصا مختلف سنا تھا اور یہاں غلطی کی گنجائش بھی نہیں بنتی تھی۔

حج کی اصل تیاری اپنے آپ کو اس ماحول اور مشقت سے ہم آہنگ کرنا اور ہر طرح کی شکایت اور تنقید سے اپنے آپ کو بچانا قرار پائی۔ اس مقصد کے لیے قرعہ اندازی میں نام نکلنے کے ساتھ ہی طے کرلیا کہ حج سے واپسی تک ہر طرح کی بے صبری سے بچا جائے گا جس میں بس اور جہاز میں سوار ہونے سے لے کر حرم میں داخلے اور نکلنے کے وقت کی بے صبری شامل تھی۔ کسی سہولت کی عدم دستیابی پر شکایت یا افسوس سے اجتناب کہ اس سے طبیعت میں بے چینی اور کیفیت میں انتشار پیدا ہوگا۔ کسی بھی ناخوشگوار صورت حال کے پیش آنے پر جھنجھلاہٹ اور غصہ سے پرہیز اور تحمل، درگزر سے معاملے کو سلجھایا جائے گا۔

حجرِ اسود کا بوسہ، حطیم میں نفل کی ادائیگی یا ریاض الجنہ میں نفل ادا کرنے کا معاملہ ہو، دھکم پیل سے گریز پہلی ترجیح ہوگی۔ اس نیت اور ارادے سے حج کے سفر اور قیام خصوصاً مناسکِ حج کے ایام میں ہر طرح کی جلد بازی، بے صبری جھنجھلاہٹ سے بچت رہی اور شکایت کا کوئی موقع آیا بھی تو اسکے اظہار سے گریز کیا۔

**روڈ ٹو مکہ:** 14 جولائی 2019 بروز اتوار صبح 8:40 پر فلائیٹ تھی، حج کے سفر میں پیش آنے والی پہلی مشقت، جو سن رکھی تھی، وہ جدہ ائرپورٹ پر کئی گھنٹے کی امیگریشن کی کاروائی تھی۔ چار پانچ گھنٹے کے سفر کے بعد کئی گھنٹے کی امیگریشن کا تصور ہی تکلیف دہ تھا لیکن خوشگوار حیرت اس بات پر ہوئی کہ روڈ ٹو مکہ کے نام سے ایک معاہدے کے تحت سعودی اہلکاروں نے یہی کاروائی اسلام آباد ائرپورٹ پر معمول کے تین چار گھنٹوں کے وقت میں ہی مکمل کرلی۔ گویا سعودی سرزمین پر پہنچنے والی پہلی کوفت کا امکان باقی نہیں رہا۔ جدہ ائرپورٹ پر سامان کی تلاشی کا مرحلہ بھی خاصا صبر آزما ہوا کرتا ہے۔ اس سے بھی نجات ملی۔

جدہ ائرپورٹ پر بلڈنگ نمبر کے حساب سے بسیں موجود تھیں جن تک نظم و ضبط سے قطار بناتے ہوئے سوار کرا دیا گیا۔ تقریباً تین بجے اپنی قیام گاہ یعنی جامعہ محمودیہ جو کہ عزیزیہ کے علاقے میں واقع ہے، پہنچ گئے۔ سامان البتہ ساتھ نہیں پہنچا جو کہ رات کو لاکے ہوٹل لابی میں رکھ دیا گیا تھا۔

**رھائش:** ہوٹل میں کمرہ دوسری منزل پر الاٹ ہوا۔ ہوٹل کا حرم سے فاصلہ تقریباً چار کلومیٹر تھا۔ ہوٹل سے حرم تک بسیں آدھے آدھے گھنٹے کے وقفے سے چلتی رہتی تھیں۔ کمرے میں چھ بیڈ لگے ہوئے تھے۔ ساتھ والا کمرہ خواتین کو الاٹ ہوا جس میں پانچ خواتین کو رہنا تھا۔ اس الاٹمنٹ کو تبدیل کروانے کی نہ اجازت تھی نہ کسی کو ضرورت۔

**ہمارا گروپ** : گروپ بنانا ایک اختیاری فعل ہوتا ہے، ہمارے گروپ میں چار افراد تھے۔ میں، اہلیہ، ایک بالواسطہ عزیز منصور صاحب اور ان کی اہلیہ، دونوں خواتین بلقیس کالج آف ایجوکیشن چکلالہ راولپنڈی میں برسوں کولیگ رہی ہیں اور ان کا ایک ذہنی ہم آہنگی اور دوستی کا سلسلہ موجود تھا جو باہمی قرابت داری کا سبب بھی بنا۔ منصور صاحب ایک کم گو اور کم آمیزی شخصیت، حلقۂ احباب برائے نام، باہمی دلچسپی کا موضوع ناپید۔ اس لحاظ سے میرے اور ان کے مزاج میں بعد المشرقین۔ کسی سخن دوست، مزاج آشنا کا ساتھ ہوتا تو قیام یقیناً زیادہ دلچسپ ہوتا

**اهل کمره** : میرے اور منصور صاحب کے علاوہ کمرے میں چار افراد اور تھے۔ دو پختون بھائی علی محمد اور گل محمد، راولپنڈی ریج روڈ پر رہائش، پراپرٹی کے بزنس سے وابستہ، اچھے طور اطوار کے مالک، دوسروں کو سہولت پہنچانے میں پیش پیش اپنی بیگمات کے ہمراہ آئے ہوئے تھے، راشد مجید، GHQ سے ریٹائرڈ، لال کرتی میں رہائش پذیر، دھیمے مزاج کے مالک، منکسر المزاج، ایک سال پہلے ایک حادثہ کے سبب سر پر چوٹ کی وجہ سے یادداشت کچھ متاثر تھی کبھی کبھی راستہ بھول جاتے تھے۔ ان کی بیگم کے لیے ان کی دیکھ بھال ایک اضافی ذمہ داری رہی جس کو انھوں نے خندہ پیشانی سے بھگتایا۔ چھٹے ساتھی کمرے کے، خطہ پوٹھوہار کی ایک typical شخصیت، آواز ناملائم، گفتگو اونچے والیوم میں، کچھ خود بیزار، کچھ مردم بیزار۔

حج کے قیام میں کمرے اور خیمے کے ساتھیوں کا کردار قیام کو خوشگوار بنانے میں بہت اہم ہوتا ہے۔ اکثر طبائع کے اختلاف کے نتیجے میں بدمزگی اور تلخی تک بھی نوبت جا پہنچتی ہے۔ مصلحت اسی میں دیکھی کہ ان صاحب سے واجبی سی دعا سلام رکھی جائے۔ تمام تر احتیاط کے باوجود راشد صاحب جیسے مرنجاں مرنج قسم کے انسان سے ان کی کچھ تلخ کلامی ہو ہی گئی جس کو کچھ دن بعد پختون بھائیوں نے رفع دفع کروا دیا۔

## ادائیگی عمرہ :

پاکستان سے جانے والوں کو حج تمتع ہی مناسب رہتا ہے۔اس میں زائر پر مکہ پہنچ کر عمرہ ادا کر کے احرام کی پابندی ختم ہو جاتی ہے اور حج کے لیے احرام 8 ذی الحج کو دوبارہ باندھنا ہوتا ہے۔تین بجے ہوٹل پہنچ کر کچھ دم لیا۔تقریباً 6 بجے حرم پہنچے طواف مغرب کے قریب ختم ہوا۔ سعی کے آخری چکر میں عشاء بھی ہو گئی۔حرم کے سامنے ایک سیلون میں منصور نے حلق اور میں نے قصر کو اختیار کیا۔عجیب بات ہے برسوں پہلے بھی حلق (یعنی ٹنڈ) کے پانچ ریال اور قصر یعنی بال ترشوانے کے دس ریال ہی لیے گئے تھے۔ہوٹل پہنچ کر احرام سے عام لباس میں آ گئے۔

## ہوٹل میں پہلی رات :

حج پر جاتے ہوئے سب سے مشکل مرحلہ میرے لیے مشترکہ رہائش میں رات کو سونے کا تھا۔کسی بھی جگہ جا کر ایک دو راتیں تو نیند خراب ہوتی ہی ہے۔جب کہ رہائش بھی صرف اپنے لیے ہی مخصوص ہو، یہاں تو پانچ افراد کی موجودگی میں سونے کی آزمائش تھی۔خیال تھا کہ آہستہ آہستہ سونے کی عادت ہو ہی جائے چند دن کی بے چینی و بے کیفی کے بعد، پر خوشگوار حیرت ہوئی کہ اتنے لوگوں کی موجودگی میں نیند خوب آئی اور آتی رہی بلکہ اپنے گھر کے پرسکون حجرے سے بھی بڑھ کے۔چالیس روزہ قیام میں سب سے نمایاں بات یہی تھی کہ کسی اہل کمرہ کی وجہ سے ایک رات بھی نیند خراب نہیں ہوئی۔دن میں سونے کی کبھی عادت ہی نہیں رہی لیکن اہل کمرہ فجر کے بعد جی بھر کے سوتے تھے۔رفتہ رفتہ خود کو بھی دن میں سونے کی عادت ہو گئی ہے حد درجے کی ذہنی فراغت اور تھوڑی سی تھکاوٹ حرم آمد و رفت اور طواف کی، نیند کو کافی بڑھا دیتی ہے۔ جدہ امیگریشن سے نجات پہلی آسودگی تھی۔اس سفر کی دوسری آسودگی نیند کا پورا ہو جانا بغیر کسی بے کیفی کے۔

(جاری ہے)

# زبان کی آفت

**(امام غزالیؒ)**

زبان بظاہر گوشت کا ایک لوتھڑا مگر خدا کا بڑا انعام ہے۔اس کا گناہ اوراس کی اطاعت دونوں آسان اوراہم ہیں۔دوسرے اعضاء تو ایک حد کے اندر اپنے اپنے کام کرتے ہیں مگر زبان کا دائرہ عمل بہت وسیع ہے،خیروشر،موجودمعدوم،حقیقی خیالی،واقعی ظنی ہر چیز تک اس کی رسائی ہے۔کوئی چیز دوررہوقریب ہو،صحیح ہوغلط ہو،حق ہو باطل ہوزبان پر سب کا ذکر آسکتا ہے۔اسی لیے زبان کو پوری طرح قابو میں رکھنے کا حکم ہے،نہ معلوم کس وقت کیا زبان سے نکل جائے جو آپس میں،خاندان میں،شہر میں،ملک میں فساد و فتنے کا باعث ہو جائے۔انسان کے لیے سب سے زیادہ نافرمان یہی حصہ ہے،یہ انسان کو وزنی اور باوقار بھی بناتی ہے اور ہلکا اور خفیف بھی کر دیتی ہے اس لیے اب زبان کی آفتوں کی تفصیلات کو بیان کرنا ضروری ہے۔

## زیادہ بولنے کی آفت،خاموش رہنے کی فضیلت

زبان سے بچنے کی ایک صورت ہے کہ آدمی زیادہ تر خاموش رہے۔خاموشی ہی حکمت اوراحتیاط کی بات ہے۔کہا جاتا ہے کہ جسم کی اصلاح قلب سے ہوتی ہے اور قلب کی اصلاح زبان پر منحصر ہے،جس کو سلامتی مطلوب ہو اس کو زیادہ تر خاموش رہنا چاہیے۔اگر کسی کی زبان سے اس کا پڑوسی تنگ ہے تو اس کی زندگی بھر کا بڑے سے بڑا عمل بیکار ہے،سلامتی اور امن وچین کا سب سے بڑا ذریعہ سکوت ہے۔صاحب بصیرت،حکیم،عقلمند اوراکثر وبیشتر خاموش رہا ہے،دراصل زبان کی حفاظت مال و دولت کی حفاظت سے زیادہ مشکل ہے اوراہم بھی۔سکوت کے افضل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ بولنے میں خطا،جھوٹ،غیبت،چغلی،نفاق،فحش،خودپسندی،تکبر ممنوعات پر اصرار دجل فریب مخلوق کو ایذا مخلوق کی پردہ دری اور بہت سے عیوب صادر ہو جاتے ہیں

اور خاموشی سے ہمت مجتمع رہتی ہے، وقار اور ہیبت باقی رہتی ہے۔ دل ودماغ نیک اور اچھی باتوں کے لیے فارغ رہتے ہیں، ہزاروں فتنے دبے رہتے ہیں۔ اگر گفتگو میں ضرر ہی ضرر ہے، نفع نہیں ہے تو ایسے بولنے سے خاموش رہنا بہتر اور افضل ہے، اور اگر گفتگو میں صرف نفع ہے تو ضرور کلام کرے، اور اگر کلام اور نفع اور ضرر دونوں ہوں تو دیکھنا چاہیے جو پہلو زیادہ ہو اُس کے مطابق عمل کرے اور اگر کلام میں نہ نفع ہے نہ ضرر تو بولنا ہی بیکار ہے، اِس طرح اگر کلام کے چار حصے کریں تو تین حصوں میں سے سکوت بہتر ہے اور ایک حصے میں بات کی اجازت ہے۔ معلوم ہوا خاموشی زیادہ رکھے اور کلام کم کرے انسان کو چاہیے کہ گفتگو کرتے وقت کلام کی آفتوں غیبت' جھوٹ چغلی اور دوسری قباحتوں سے محفوظ رہے۔ ایسی بات کہے کہ نہ خود بولنے والے کو ضرر ہو اور نہ کسی دوسرے بھائی کو۔ کتنا ہی بلند درجے کا عمل کرنے والا ہو اگر بلاوجہ ہر وقت بات اور کلام کرتا رہے تو ڈر ہے کہ اس کی ساری عبادت سارا عمل بیکار نہ ہو جائے۔ نیک بختی اور خوش نصیبی کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ آدمی بلاوجہ کلام نہ کرتا ہو' خواہ کتنا ہی مفید ہو' بلا موقع بلا تفکر اور تدبّر کے منہ سے نہ نکالے۔ بے فائدہ تو کلام کرنا ہی نہیں چاہیے' بافائدہ کی تفسیر یہ ہے کہ کوئی بڑی تفصیل اور تشریح کے ساتھ اپنے سفر کا حال بیان کرے اور اس میں آسمان وزمین کے قلابے ملانے لگے جس میں اپنی بڑائی مقصود ہو۔ اگر یہ پورا حال نہ بھی سناتا تو کوئی نقصان نہ ہوتا۔ اور سنایا بھی تھا تو مختصر لفظوں میں خاص سبق آموز اہم واقعات کو سُنا دیتا۔ ایک فائدہ کلام یہ بھی ہے کہ دوسروں سے بلاوجہ مہمل قسم کا سوال کیا جائے۔ اس میں اپنا وقت ضائع کیا اور جواب دینے والے کو مجبور کیا کہ وہ بہر حال جواب دے۔ ان تمام باتوں کا علاج یہی ہے کہ تنہائی کو پسند کرے تو شاید کثرت کلام سے بچ جائے۔ زیادہ بولنے کی عادت بھی بُری ہے۔ اگر ایک جملے سے بات پوری ہو گئی اور کلام نکل گیا تو مزید نہ کہے ورنہ زیادتی ہو گی اور یہ بُری عادت ہے۔ مال کی جگہ زبان کو دے دے یعنی دبا کر رکھے اور زبان کی جگہ مال کو دے دے یعنی خوب خرچ کرے۔ جو زیادہ بولتا ہے سمجھ جاؤ وہ بہت بے احتیاط اور جھوٹا آدمی ہے۔ ایک عالم کے لیے اس سے بڑا کوئی امتحان نہیں کہ وہ بولنے

سے زیادہ مختار ہے کیونکہ عالم کے دل کا سب سے بڑا تقاضا بولنے اور اپنے علم کو کھولنے کا ہوتا ہے سننا اُس کے لیے بہت مشکل کام ہے کلام میں زیادتی اور کثرت کے علاوہ اس کا بھی خیال رہے کہ باطل اور گناہ کی قسم کی چیزیں نہ آنے پائیں۔اس سے بچنے کی یہی صورت ہے کہ بلاضرورت نہ بولنے کا پکا ارادہ کرے۔ورنہ احساس بھی نہ ہوگا اور آدمی برباد ہوکر رہ جائے گا۔بعض بڑے قسم کے واقعات جو پہلے ہو چکے ہوں جن کو بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔تو ان کا ذکر بھی زائد بات ہے اس سے بھی بچنا چاہیے۔اپنے دوستوں، ساتھیوں، یا مخالف کی بات کاٹنی اور رد کرنی یہ بھی بُری بات ہے۔خواہ وہ لفظی گرفت ہو جیسے یہ کہے "جناب ذرا آپ اپنے جملوں پر غور کریں، کیا غلط زبان بول گئے ہیں۔" اور خواہ وہ معنوی گرفت ہو "جیسے کسی کی تحریر کی غلطیاں نکالی جائیں یا جو معنی بات کہنے والا اپنی بات میں بیان کررہا ہے اُسے روکا جائے کہ یہ معنی غلط ہیں" اسی طرح علمی بحث و مباحثہ جدال و تکرار بھی ناروا بات ہے، گفتگو میں کبھی بحث و مباحثہ و تکرار نہ کرے۔نرمی سے افہام و تفہیم کرے تو کوئی مضائقہ نہیں ہے اور سب سے بڑا کمال یہ ہے کہ مجلس میں بیٹھ کر سب کی سُنے خود کچھ نہ بولے۔واقعہ یہ ہے کہ یہ سخت مشکل بات ہے کہ محفل میں بیٹھا ہو، غلط بات ہو رہی ہے، لوگ غلط حصہ لے رہے ہیں کسی کو صحیح بات معلوم ہو اور وہ محض بحث و تکرار سے بچنے کے لیے گفتگو میں حصہ نہ لے۔اسی لیے ایسے مرد کی تعریف کی گئی ہے بر حق بات جانتے ہوئے بھی لوگوں کی بات کاٹنی چھوڑ دے۔زبان کی ایک آفت خصومت اور لڑائی ہے۔اس سے بہت زیادہ بچنے کی ضرورت ہے۔یہ خالص جانور کی نشانی ہے اور انسانوں کے مقام سے بہت نیچے کی بات ہے، خصومت سے دل مکدّر ہو جاتا ہے۔آدمی ایک دوسرے کا دشمن ہو جاتا ہے۔آپس میں قطع کلام، ترکِ تعلقات، اور معاملات ختم ہو جاتے ہیں۔اور یہ سب بُری باتیں ہیں۔اسی لیے تعلیم دی گئی ہے کہ "لوگو دوسروں کو ہمیشہ اچھی بات کہو اور کوئی تم کو سلام کرے تو خوشی سے جواب دو۔خواہ وہ سلام کرنے والا مجوسی ہی کیوں نہ ہو۔" اچھا کلمہ اور نرم گفتگو کے لیے ہم مذہب کے لوگوں سے اچھی بات کرنی چاہیے۔"نیکی اور عبادت کی صحیح تعریف یہ ہے کہ انسان کشادہ پیشانی اور

نرم زبان رکھتا ہو۔" عقلمندوں نے کہا ہے اگر تمھاری باتوں سے تمہارا ساتھی اور پاس بیٹھنے والا راضی ہے تو خدا بھی تم سے راضی ہے۔اس لیے نرم کلام کرنے سے دریغ نہ کرے۔پھر گفتگو اور کلام میں زیادہ تکلّف سے کام نہ لے۔گفتگو میں قافیہ بندی' زیادہ فصاحت و بلاغت جس سے مطلب ہی خبط ہو جائے کچھ اچھی بات نہیں۔مطلب اور مدعا سے پہلے لمبی لمبی تمہید بھی زیادہ پسندیدہ نہیں ہے' عام گفتگو میں اس کی ضرورت بھی نہیں ہوتی۔یہ چیز تو خطبے وغیرہ میں گوارا کی جا سکتی ہے۔اگر افراط و تفریط سے بچ کر ہو' اسی طرح بات بات پر گالی بکنا' کسی کو بُرا بھلا کہنا یہ بھی بُرا ہے۔اس سے باطن کی بُرائی کا پتہ چلتا ہے حتیٰ کہ اپنے دشمنوں یا دوسرے مذاہب کے لوگوں کو بھی بُرا نہیں کہنا چاہیے۔جو بات کہنے کی نہ ہو یا حیاو شرم کے خلاف ہو اُسے ہرگز زبان سے نہ نکالے۔فحش باتیں زبان سے نہ نکالے' فحش کا مطلب یہی ہے کہ قبیح باتوں اور بُری چیزوں کا اشارے میں بھی ذکر نہ کرے۔مجلس میں بیٹھ کر اپنی عورتوں کا نام لینا' اُن کی تعریف کرنا' دلچسپی سے اُن کا ذکر کرنا سخت بے شرمی کی بات ہے۔کسی پر لعنت ملامت کرنا یہ بھی سخت بُری بات ہے انسان' حیوان' نباتات' جمادات کسی پر لعنت نہیں کرنا چاہیے' اسی طرح جان دار بے جان کسی پر لعنت نہ کرے۔کوئی جب زمین پر لعنت بھیجتا ہے تو وہ کہتی ہے کہ ہم دونوں میں سے جو زیادہ نافرمان ہو یہ لعنت اسی پر پڑے' لعنت کے معنی ہوتے ہیں خدا کی رحمت سے کسی کو دور کرنا تو انسان کو حق نہیں ہے کہ وہ کسی کو خدا کی رحمت سے دور کرے۔اور مرے ہوئے لوگوں پر تو لعنت کرنی ہی نہیں چاہیے۔وہ بے چارے تو اپنے انجام کو پہنچ چکے ہیں۔اُن کو ہمیشہ بھلائی کے ساتھ یاد کرنا چاہیے۔ہنسی ٹھٹھا میں تھوڑی سی مقدار بُری نہیں ہے لیکن زور سے ہنسنا وقار کے خلاف ہے۔مسلسل اور دیر تک قہقہہ لگانے سے قلب افسردہ ہو جاتا ہے' ہاں ہنسی تبسّم کے ساتھ ہو تو بہت ہی مناسب اور درست ہے۔شریف آدمی سے ہنسی کرو گے تو وہ بُرا سمجھے گا اور ذلیل سے ہنسی کرو گے تو اُس کو تم پر جرأت بڑھے گی' کبھی کبھی وقار کے ساتھ مزاح کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے جبکہ اُس مزاح سے کسی کی دل شکنی نہ ہو۔

تمسخر/استہزا:اور دوسروں کا مذاق اُڑانا یہ باتیں اس لیے حرام ہیں کہ اس سے دوسروں کو تکلیف پہنچتی ہے۔ تمسخر دوسروں سے حقارت اور اہانت کو کہتے ہیں یا کسی کے عیب اس انداز پر بیان کیے جائیں کہ دوسروں کو ہنسی آئے یہی بات اگر پیٹھ پیچھے ہے تو غیبت ہے اور سامنے ہے تو تمسخر ہے۔ کسی کو نہیں معلوم کون اچھا ہے کون بُرا ہے۔ پھر بھلا مذاق اُڑانے اور استہزا کرنے کا کیا موقع ہے' کسی کی تحریر پر' چلنے بولنے پر' ہنسنے ہنسانے پر' قد' کان آنکھ غرض کسی حصہ جسم یا کسی حرکت کی نقل کرنا یہی استہزا اور تمسخر ہے۔ اس سے بہت بچنا چاہیے۔ اسی طرح افشائے راز' کسی کے راز کو ظاہر کرنا بھی سخت ممنوع ہے۔ اس میں دوستی کا حق مارا جاتا ہے کیونکہ ایک شخص کی بات دوسرے کے پاس امانت ہوتی ہے۔ جھوٹا وعدہ کرنا زبان کے لیے بہت آسان کام ہے مگر اس سے ایک بھائی کو جو دکھ پہنچتا ہے وہ سخت بُرائی کی بات ہے۔ اس کا اندازہ کچھ اسی کو ہو سکتا ہے جسے کسی کے جھوٹے وعدے پر انتظار کی زحمت اٹھانی پڑتی ہے۔ ایسے ہی خود جھوٹ بولنا کھلی ہوئی بُرائی ہے۔ چار خزانے ایسے ہی جن کے بعد اور کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے راست گفتار ہو۔ امانت کی حفاظت کرنے والا ہو رزق حلال اور عمدہ اخلاق کا مالک ہو۔ اگر کسی نے آپ کو کھانے پر بلایا آپ کا دل چاہتا ہے کہ کھالیں مگر آپ نے انکار کر دیا تو یہ انکا جھوٹ ہوگا لیکن کسی صحیح مقصد سے منع کیا ہے تو درست ہوگا' صحیح مقصد جیسے آپ کو یقین ہو کہ صاحب خانہ اخلاقاً پوچھ رہا ہے یا واقعی وہ چاہتا ہے کہ میں کھاؤں مگر اس وقت کھانا کم ہے مجھے نہیں بیٹھنا چاہیے۔ ایسے ہی جھوٹے خواب بیان کرنا بھی ایک طرح سے جھوٹ میں شامل ہے۔ ایسے ہی غیبت ایک بڑی بُرائی ہے جس پر زبان خوب چلتی ہے۔ اسلام نے غیبت کرنے کو بھائی کا گوشت کھانے سے زیادہ بُری چیز بتایا ہے۔ اسی لیے بزرگوں نے نماز' روزہ اور دوسری عبادتوں کے مقابلے میں افضل اس بات کو قرار دیا ہے کہ غیبت سے بچا جائے۔

# ذیابیطس

( سید عاصم محمود )

(گزشتہ سے پیوستہ )

## مرض کو جڑ سے نہیں اکھاڑنا:

امریکہ اور یورپی ممالک میں قدرتی غذاؤں سے بنی ادویہ کا استعمال بہت کم ہے۔ وجہ یہ کہ وہاں ہر ادویہ ساز کمپنی کو اپنی دوا حکومتی اداروں سے رجسٹرڈ کرانا پڑتی ہے۔ اس کام میں بہت زیادہ خرچہ آتا ہے۔ اسی لیے بڑی ادویہ ساز کمپنیاں بھاری رقم دے کر اپنی ادویہ رجسٹرڈ کروالیتی ہیں پھر وہ منہ مانگے داموں پر یہ دوائیں فروخت کرتی ہیں اور یہ تمام دوائیں ذیابیطس کا علاج تو کرتی ہیں مگر اسے ختم نہیں کر پاتیں۔

حقیقت یہ ہے کہ پوری دنیا میں ادویہ ساز کمپنیوں اور معالجین نے علاج کو کاروبار بنالیا ہے وہ مرض کا علاج تو کرتے ہیں مگر اسے ختم کرنے کے لیے ٹھوس اقدامات نہیں اپناتے۔ ظاہر ہے، ڈاکٹر نے اگر ذیابیطس یا کوئی اور بیماری ختم کر دی تو پھر مریض دوبارہ علاج کرانے اس کے پاس نہیں آئے گا۔ یوں ڈاکٹر اپنی فیس اور ادویہ ساز کمپنیاں اپنی دواؤں کی قیمت سے محروم ہو جائیں گی۔

چنانچہ معالجین مریضوں کا علاج کرتے ہوئے انھیں ایسی ادویہ دیتے ہیں جن کے ذریعے بیماری کی شدت کم ہو جائے لیکن وہ ختم نہیں ہوتی۔ لہٰذا مریض کو وقتاً فوقتاً ڈاکٹر کے پاس جانا پڑتا ہے۔ یوں معالجین اور ادویہ ساز کمپنیاں، دونوں کا اس کاروبار سے دال دلیہ چلتا رہتا ہے۔

سوال یہ ہے کہ کیا معالجین اور ادویہ ساز کمپنیاں لالچ و ہوس کا شکار ہو چکی ہیں؟ ظاہر ہے سبھی کو اس زمرے میں نہیں رکھا جا سکتا مگر یہ بھی سچ ہے کہ دنیا بھر میں بیشتر معالجین کا یہ وتیرہ بن چکا،

وہ مرض کا علاج تو کرتے ہیں مگر اسے جڑ سے اکھاڑنے کے لیے کوئی ٹھوس قدم نہیں اٹھاتے۔

معالجین اور ادویہ ساز کمپنیوں کو یہ راہ عمل اختیار کیے ستر اسی برس ہو گئے کہ مرض کا علاج تو کرنا ہے مگر اس کا خاتمہ ہرگز نہ ہو۔ اب حال یہ ہے کہ بہت سی بیماریوں کی علامات اپنی جگہ نئی بیماریاں بن چکیں۔ لہٰذا ادویہ ساز ادارے یہ علامات دور کرنے کے لیے بھی نت نئی دوائیں بناتے اور انھیں بیچ کر خوب کمائی کرتے ہیں۔ یہ دوائیں عارضی طور پر ہی علامات ختم کرتی ہیں۔ لہٰذا جب وہ دوبارہ نمودار ہوں، تو مریض کو پھر دوائیں کھانا پڑتی ہیں۔ یوں علاج کا شیطانی چکر جاری وساری رہتا ہے۔ مثال کے طور پر ہارٹ اٹیک یا دل کا حملہ ذیابیطس کی ایک علامت ہے۔ یعنی جب ذیابیطس شدت اختیار کر لے، تو مریض کو ہارٹ اٹیک ہو سکتا ہے۔ معالجین طویل عرصے سے یہ بات جانتے ہیں مگر وہ مریضوں کو بتانے لگے کہ دل کا حملہ الگ بیماری ہے اور اس کا ذیابیطس سے کوئی تعلق نہیں۔

اب ماہر امراض قلب بھی ذیابیطس کے مریض کا علاج کرنے لگتا ہے۔ وہ بھی اسے ایسی ادویات دیتا ہے جو مرض کا خاتمہ نہیں کرتیں بلکہ اسے عارضی طور پر دبا دیتی ہیں۔ آخر کار ہوتا یہ ہے کہ کئی مریضوں کو دل کا آپریشن کرانا پڑتا ہے کیوں کہ مرض دور ہی نہیں ہوتا۔ سچا و دیانت دار معالج شروع ہی میں ذیابیطس کے مریض کو بتا دے کہ ہارٹ اٹیک مرض کی ایک علامت ہے اور پھر قدرتی ادویہ سے اس کا علاج کرے، تو لاکھوں لوگ آپریشن کے خرچ و مصیبت سے بچ سکتے ہیں۔

امراض قلب کی عالمی انجمنوں کی تحقیقی رپورٹوں سے عیاں ہے کہ امراض قلب میں مبتلا نصف مریضوں کو ہیپا ٹائٹس بھی ہوتا ہے۔ جبکہ ایسے کئی مریض موٹاپے میں بھی مبتلا ہوتے ہیں کسی زمانے میں یہ بیماریاں صرف بالغوں کو نشانہ بناتی تھیں۔ اب تو چھ سات سال کے بچے بھی ان کا شکار بن رہے۔

## ذیابیطس جنم لینے کی وجہ:

انسان اپنے ایک جسمانی نظام ''دروں افرازی غدود'' (Endocrine) میں خرابیاں جنم لینے سے کئی بیماریوں میں مبتلا ہوتا ہے۔ درج بالا نظام میں لبلبہ، درقیہ (Thyriod) برگردہ (Adrena) فوطے (Testice) بیضہ دانیاں (Ovaries) زیر اندروں حرم (Hypothalamus صنوبری (Pinel ) اور نخامیہ (Pituitary) غدود شامل ہیں۔ یہ غدود مختلف اقسام کے ہارمونز خارج کرتے ہیں۔ جو انسانی جسم کے تقریباً تمام افعال انجام دینے میں حصہ لیتے ہیں۔

1930 کے عشرے میں برطانوی ڈاکٹروں نے دریافت کرلیا تھا کہ دروں افرازی غدود نظام خراب ہونے سے انسان کو ذیابیطس قسم دوم چمٹ جاتا ہے۔ بعد ازاں شکر، چکنائی اور تیل میں لتھڑی غذائیں زیادہ مقدار میں استعمال کی جانے لگیں، تو ذیابیطس انسانی معاشرے کا عام مرض بن گیا۔

تاہم ہر قسم کے تیل اور چکنائی (Fat) کو برا مت سمجھیے۔ قدرتی انداز میں جنم لینے والے تیل اور چکنائیاں درحقیقت انسانی صحت کے لیے مفید ہیں۔ مگر جو تیل اور چکنائی مصنوعی طریقے سے تیار کی جائے، وہ انسانی صحت کو نقصان پہنچاتی ہے۔ گویا قدرت کے تیار کردہ تیل اور چکنائیاں معتدل مقدار میں کھائی جائیں تو وہ صحت بخش ہیں۔

یہ بیسویں صدی کے اوائل کی بات ہے کہ جب امریکہ اور برطانیہ میں کارخانے مختلف اقسام کی غذائیں تیار کرنے لگے۔ یہ غذائیں مشینوں کی مدد سے تیار ہوتی تھیں۔ تاہم برطانوی و امریکی عوام کسانوں سے سبزی پھل، وغیرہ خریدنے کو ترجیح دیتے۔ 1920 کے عشرے میں امریکہ و یورپ معاشی زوال (گریٹ ڈپریشن) کا نشانہ بن گئے۔ اس باعث بیروزگاری نے جنم لیا اور بہت سے لوگ مہنگائی کے بوجھ تلے پسنے لگے۔

اس عالم میں کئی امریکی و یورپی باشندے کارخانوں میں بنی غذائیں خریدنے لگے کیوں کہ وہ فاموں میں دستیاب غذاوں سے نسبتاً سستی تھیں۔ یہ غذائیں وسیع پیانے پر تیار ہوتی تھیں، اسی لیے ان کی لاگت پر کم خرچ لگتا۔ یوں انھیں سستا فروخت کرنا ممکن ہوگیا۔ چنانچہ عوام فیکٹریوں میں تیار کردہ ہائیڈروجنیٹڈ (Hydrogenated) اور ریفائنڈ (Refined) غذائیں استعمال کرنے لگے۔ یہ غذائیں دیکھتے ہی دیکھتے امریکہ و برطانیہ میں بہت مقبول ہوگئیں ان میں مکھن، پنیر، ڈبل روٹی، پکانے کے تیل، دالیں وغیرہ شامل تھیں۔

رفتہ رفتہ امریکی دکانوں میں بہت سی قدرتی اشیا مثلاً مچھلی کا تیل، السی کا تیل وغیرہ فروخت کرنا بند کردیا گیا۔ اس کے بجائے وہ کارخانوں میں تیار شدہ غذائیں زیادہ رکھنے لگے۔ آج امریکہ و یورپ میں مچھلی و السی کا تیل صرف ''ہیلتھ شاپس'' میں ملتا ہے۔ ان صحت بخش تیلوں کے بجائے گروسری اسٹور (پرچون فروش) مصنوعی طریقے سے بنے پکانے کے تیل زیادہ رکھتے ہیں۔ یہ مصنوعی تیل ذیابیطس قسم دوم جنم دینے کی بڑی وجہ ہیں۔

### شکر کی بڑھتی مقدار:

تاریخ کے مطالعے سے پتا چلتا ہے کہ جب انسانی معاشروں میں مصنوعی طریقے سے بنی غذائیں مقبول ہورہی تھیں، تو وہاں ذیابیطس، بلڈ پریشر اور امراض قلب بھی سر اٹھانے لگے۔ یہ اس امر کا ثبوت ہے کہ مصنوعی طور پر تیار کردہ سبھی غذائیں مفید اور صحت بخش نہیں ان کا استعمال روک کر ہی انسان صحت کی دولت پا سکتا ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ ذیابیطس قسم دوم کیوں کر جنم لیتا ہے؟ اس مرض کا آغاز تب ہوتا ہے جب انسانی جسم نشاستے دار غذا یا کاربوہائیڈریٹس کو صحیح طور سے توانائی میں نہیں بدل سکے۔ اس خرابی کے باعث انسانی خون میں ہر وقت شکر (گلوکوز) کی مقدار زیادہ رہنے لگتی ہے۔ ذیابیطس قسم اول میں مبتلا مریض کی بھی یہی جسمانی کیفیت ہوتی ہے۔

ذیابیطس قسم دوم کے مریض میں انسولین ہارمون کی مقدار بھی زیادہ بنتی ہے۔جب کہ دروں افرازی غدود کے ہارمونوں کے اخراج میں بھی کمی بیشی جنم لیتی ہے۔انسولین زیادہ پیدا ہونے کی وجہ یہ ہے کہ انسانی جسم میں خلیے اسے استعمال کرنا چھوڑ دیتے ہیں۔لہٰذا لبلبہ تو انسولین خارج کرتا ہے مگر یہ ہارمون کسی کے کام میں نہیں آتا۔چنانچہ اس کی مقدار بڑھ جاتی ہے۔

واضح رہے، انسان مختلف اقسام کے کھربوں خلیوں کا مجموعہ ہے۔ہم جو بھی غذا کھائیں، یہ خلیے اسے پروسیس کر کے اس سے اپنی توانائی بناتے ہیں۔یہی توانائی پھر انسان کو سرگرم و متحرک رکھتی ہے۔لہٰذا اگر غذا صحت بخش ہے، اس میں تمام غزائیت (Nutrients) موجود ہے، تو خلیے بھی چست و چالاک رہتے ہیں۔مگر انسان مصنوعی غذائیں کھانے لگے جس میں غذائیت کم ہوتی ہے، تو خلیے بھی مطلوبہ توانائی حاصل نہیں کر پاتے۔اس خرابی سے انسان مختلف طبی مسائل کا نشانہ بننے لگتا ہے۔

بیسویں صدی کے اوائل ہی میں ڈاکٹروں کو پتا چل گیا تھا کہ انسان میں ذیابیطس کیوں کر پیدا ہوتا ہے۔اس زمانے میں مگر ڈاکٹر مصنوعی طور پر تیار کردہ غذاؤں کے اثرات سے ناواقف تھے۔انھیں یہ بھی علم نہ تھا کہ یہ غذائیں بدن میں پہنچ کر کس قسم کے کیمیائی تعاملات کو جنم دیتی ہیں۔اب وہ جان چکے کہ پروسیس شدہ غذائیں ہی انسان کو ذیابیطس کا شکار بناتی ہیں۔اس مرض کے باعث جسم صحت مند غذاؤں کو بھی باآسانی ہضم نہیں کر پاتا۔

## خلیوں تک شکر کا سفر:

ذیابیطس قسم اول و دوم کا سب سے بڑا نقصان یہ ہے کہ اس بیماری میں غذاؤں سے بننے والی ذیادہ تر شکر خون ہی میں رہتی ہے اور خلیوں تک نہیں پہنچ پاتی۔اکثر اوقات یہ شکر

بذریعہ پیشاب باہر نکل جاتی ہے۔یا پھر چربی کی شکل میں جسم اسے ذخیرہ کرلیتا ہے۔

خون میں موجود شکر طویل عمل کے بعد خلیوں تک پہنچتی ہے۔انسولین اس عمل کا آغاز کرتی ہے۔سب سے پہلے یہ ہارمون خلیوں کے آخذوں (Receptor) سے جڑ جاتا ہے۔ اب خلیوں کے اندر حیاتیاتی کیمیائی ردعمل جنم لیتا ہے۔اس ردعمل کے باعث خلیوں کے خصوصی Glut4 نامی سالمات خون کے خلیوں کی سمت سفر کرنے لگتے ہیں۔ Glut4 سالمات خون کے خلیوں میں اس خاص جگہ پہنچتے ہیں جہاں شکر موجود ہوتی ہے۔یہ جگہیں اصطلاح میں ''کیولولے جگہیں'' کہلاتی ہیں۔اب مزید کیمیائی تعاملات جنم لیتے ہیں جن کی وجہ سے شکر کے سالمات مہمان سالموں سے چمٹ جاتے ہیں۔اب Glut4 سالمے شکر کے سالمات کو خلیوں کے اندر پہنچا آتے ہیں۔خون سے شکر خلیوں کے اندر پہنچانے کا یہ سارا پیچیدہ عمل ''اینڈو سائٹوسیز''(Endocytosis ) کہلاتا ہے۔

خلیے کے اندر ''مائٹو چونڈریا''(Mitochondria) نامی حصے میں شکر جل کر توانائی میں بدل جاتی ہے۔یہ توانائی پھر خلیوں کے کام انجام دیتی ہے۔ Glut4 سالمے خون سے مسلسل شکر خلیوں تک لاتے رہتے ہیں۔یوں وہ خون میں شکر کی زیادتی پیدا نہیں ہونے دیتے۔ خون میں شکر کی مقدار متوازن رہتی ہے۔

**(جاری ہے)**

# سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے خادمان کا اجلاس

( حافظ محمد یٰسین )

سلسلہ عالیہ توحیدیہ فلاح انسانیت کی ایک تحریک ہے جو نبی مکرم ﷺ کی سنت کی نہج پر انسانوں کا رب سے تعلق مضبوط کرنے میں مصروف عمل ہے ۔الحمدللہ سلسلہ عالیہ توحیدیہ ایک منظم جماعت ہے جس کے حلقہ جات تقریباً پاکستان بھر میں قائم ہیں اور اللہ کے یہ فقیر محض اللہ کی خوشنودی کے لیے اصلاح معاشرہ کے لیے کوشش کر رہے ہیں ۔کہ انسان شیطان کے مکر وفریب اور دنیا کی محبت سے نکل کر اللہ کی بندگی اور محبت کو اپنا سرمایہ حیات بنالے ۔

شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ قبلہ محمد یعقوب توحیدی نے ماہ جولائی میں تمام خادمان سلسلہ کا اجلاس مرکز تعمیر ملت پر طلب کیا تا کہ تبلیغی وتحریکی سرگرمیوں کا جائزہ لے کر لائحہ عمل طے کیا جائے اس اجلاس میں مختلف شہروں سے آئے ہوئے توحیدی برادران اور خادمان حلقہ نے سلسلہ توحیدیہ کی تعلیمات کی روشنی میں اپنے اپنے خیالات کا اظہار فرمایا ۔یہ گفتگو اور اس اجلاس کی کاروائی مجلّہ ''فلاح آدمیت'' کے قارئین کی نذر کی جارہی ہے جو یقیناً ہمارے جذبوں کو جلا بخشے گی ۔

نماز مغرب کے بعد حلقہ ذکر کا انعقاد ہوا جس میں تمام توحیدی بھائی شامل ہوئے ۔
حلقہ ذکر کے بعد شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ قبلہ محمد یعقوب خان نے اجلاس کا باقاعدہ آغاز کیا اور سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے اغراض و مقاصد پر روشنی ڈالی ۔آپ نے فرمایا کہ قبلہ انصاری صاحبؒ عظیم ،دور اندیش اور ملت کا درد رکھنے والے بزرگ تھے ۔انہوں نے اس سلسلے کی بنیاد اس غرض سے رکھی کہ مسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ کی بنیاد رکھی جا سکے ،مسلمان جو آج پوری دنیا میں ذلیل و رسوا ہو رہے ہیں ،وہ اپنا کھویا ہوا وقار حاصل کر لیں ۔اس لیے بحیثیت توحیدی ہم پر یہ ذمہ داری ہے کہ اپنے آپ کو پکا مومن بنانے کے ساتھ ساتھ دوسرے مسلمان بھائیوں کو بھی ایمان کامل کی طرف دعوت دیں ۔حضور نبی کریم ﷺ کے بعد یہ ہم مسلمانوں کی ذمہ داری ہے کہ احیائے دین کو اپنا

اوڑھنا بچھونا بنالیں اور اس کے لیے کسی قسم کی قربانی سے دریغ نہ کریں۔

گوجرانوالہ کے خادم حلقہ محمد ریاض صاحب نے سلسلہ عالیہ توحیدیہ کی تعلیم کو مختصر مگر جامع انداز میں پیش کیا۔ انھوں نے کہا کہ سلسلہ کی تعلیم بہت سہل اور موجودہ زمانے کے تقاضوں کے عین مطابق ہے، اس کی تعلیمات پر عمل کرنے کے لیے نہ تو کسی خانقاہ میں چلہ کشی کی ضرورت ہے نہ ترک دنیا اور گوشہ نشینی کی اجازت ہے بلکہ اس کے برعکس ایک متحرک اور روزمرہ زندگی کے فرائض سرانجام دیتے ہوئے رزق حلال اور خدمت خلق اور ملک وقوم کی تعمیر وترقی کے لیے کوشاں رہنے کی تعلیم دی جاتی ہے۔

نوکھر کے بھائی شاہد سلیم صاحب نے نفی اثبات، پاس انفاس اور درود شریف کی اہمیت پر گفتگو فرمائی۔ انھوں نے کہا کہ سلسلہ توحیدیہ ذکر میں پاس انفاس اور نفی اثبات بنیادی اہمیت کے حامل ہیں۔

پاس انفاس سے یہ مراد ہے کہ جو سانس آئے اور باہر جائے اس کے ساتھ دل میں اللہ کہنا ہے۔ چلتے پھرتے یا اٹھتے بیٹھتے، لیٹے غرض ہر وقت کیا جاتا ہے اور نفی اثبات روزانہ ایک تسبیح سے لے کر دس تسبیح تک ایک مخصوص طریقہ اور وقت پر کیا جاتا ہے۔ درود شریف ایک دن میں ایک ہزار مرتبہ پڑھنا ہوتا ہے۔

گکھڑ کے بھائی عبدالوحید صاحب نے تلاوت قرآن کریم کے بارے میں گفتگو فرمائی انھوں نے کہا کہ ہمیں بانی سلسلہ کی ہدایت کے مطابق تلاوت فجر کی نماز کے بعد کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ یہ ممکن نہ ہو تو پھر جب بھی وقت ملے کم از کم ایک پاؤ تلاوت ضرور کرنی چاہیے۔ تلاوت باآواز بلند اور خوش الحانی سے کرنی چاہیے اور یہ تصور کرنا چاہیے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی آواز ہے، وہ خود اپنا کلام پڑھ رہا ہے اور میں سن رہا ہوں۔ تلاوت ختم کرنے کے بعد اس کا ترجمہ سمجھ کر پڑھیں اور جو بات مفید نظر آئے یا دلچسپی کی ہو اسے نوٹ کرلیں اور اس پر عمل کریں۔

ملتان کے بھائی فیصل خان صاحب نے قطع ماسوی اللہ، تسلیم و رضا، یقین محکم کے عنوان پر اظہار خیال فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں فرمایا ہے۔

ترجمہ: ”اور اپنے رب کے نام کا ذکر کرو اور سب کو چھوڑ کر اللہ کے ہو جاؤ۔ رب کے نام کے ذکر سے مراد پاس انفاس اور نفی اثبات ہے، اور یہی سلوک کی ابتدا ہے۔ دوسرا ٹکڑا ہے سب کو چھوڑ کر اللہ کے ہو جاؤ۔ یہ بات سلوک کی انتہا ہے۔ بہت سے صوفیاء نے اس کا مطلب یہ لیا ہے کہ دنیا کو چھوڑ دو، چنانچہ انھوں نے دنیا کو چھوڑ دیا اور خانقاہوں میں گوشہ نشین ہو کر بیٹھ گئے۔ مگر رسول اکرم ﷺ نے تو دنیا کو کبھی بھی نہ چھوڑا بلکہ آخر دم تک دنیا کے کام کرتے رہے۔ اس لیے اس جملہ کا یہ مطلب تو ہرگز نہیں ہے کہ دنیا کو چھوڑ کر رہبانیت اختیار کر لو، پھر کیا مطلب ہے؟ مطلب یہ ہے کہ دنیا کے تمام کام کرتے ہوئے دنیا اور اس کی کسی چیز سے دل نہ لگاؤ اور اللہ سے کسی وقت اور کسی حال میں غافل نہ رہو۔ جو کچھ بھی حالات و واقعات پیش آئیں سب کو خدا کی طرف سے سمجھو اور سب پر خوش رہنا سیکھو اور ہر حال میں اللہ سے محبت بڑھاتے چلے جاؤ۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کی محبت تمھارے دل میں باقی تمام مخلوق سے زیادہ ہو جائے۔ قطع ماسوئ اللہ کی بدولت ہی سالک میں تسلیم و رضا کا مادہ پیدا ہو جاتا ہے یعنی جو کچھ بھی واقعات اس کو پیش آتے ہیں خواہ وہ اس کی مرضی کے مطابق ہوں یا مخالف، وہ پہلے ان پر صبر کرنا سیکھتا ہے اور بعد میں بدترین حالات میں بھی اس کو خوشی حاصل ہونے لگتی ہے۔ یہی تسلیم و رضا کی انتہا اور عبدیت کا مرتبہ ہے۔

راولپنڈی کے بھائی عبدالکریم صاحب نے روحانی قوت اور توجہ (فیض) کے حوالے سے بات چیت کی۔ انھوں نے فرمایا کہ توجہ ایک برقی کرنٹ ہے یہ کوئی خیالی چیز نہیں بلکہ ایک جیتی جاگتی طاقت ہے جو نہ صرف دل بلکہ بدن کے روئیں روئیں پر اثر انداز ہوتی محسوس ہوتی ہے۔ یہ ایک دل سے نکل کر محض خیال اور ارادے سے دوسرے کے دل میں پہنچتی ہے جتنا بڑا کوئی بزرگ ہوتا ہے اتنا ہی زیادہ اس کے قلب میں اس طاقت کا ذخیرہ ہوتا ہے اور وہ اتنے ہی مریدوں کو بہ یک وقت توجہ دے سکتا ہے۔

جب کوئی مرید ٹھیک طرح سے پاس انفاس اور نفی اثبات کرتا ہے اور کبیرہ گناہوں سے بچتا اور اخلاق کو پاکیزہ بنالیتا ہے تو اس کے دل میں شیخ کی توجہ کو محسوس اور قبول کرنے کی قابلیت پیدا ہو جاتی ہے۔ ہر آدمی جس میں یہ حرارت زیادہ ہو کم حرارت والے کو پہنچا سکتا ہے، اس کو فیض دینا بھی کہتے ہیں۔ یہ فیض صرف زندہ بزرگوں ہی سے نہیں بلکہ فوت شدہ بزرگوں اور پیغمبروں کی ارواح سے بھی لیا جاتا ہے۔

چوک اعظم کے بھائی شاہد بسرا صاحب نے ''محبت و صداقت کو اپنانا'' اور ''غصہ و نفرت کو چھوڑنا'' کے عنوان سے گفتگو فرمائی۔ اخلاق حسنہ کی بنیاد محبت اور صداقت پر ہے۔ محبت اندھی ہوتی ہے اور اس میں انسان اکثر ایسے کام کر بیٹھتا ہے جو حق کے خلاف ہوتے ہیں اس لیے محبت کے ساتھ ہمیشہ صداقت کا خیال رکھنا بہت ضروری ہے۔ زندگی میں ایسے کئی مواقع آتے ہیں جب محبت اور صداقت کا ٹکراؤ ہو جاتا ہے اس لیے ہر موقعہ پر تم کو وہی کرنا چاہیے جو حق ہو۔ محبت کے بارے میں یہ بات خاص طور پر یاد رکھنی چاہیے کہ سب سے زیادہ محبت صرف اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے کرنی چاہیے یا ان کے بعد اپنے شیخ سے لیکن مخلوق کے ساتھ بھی ضروری ہے کہ وہ خدا کی بنائی ہوتی ہے اور اس کی سب سے پیاری نشانی ہے۔

غصہ محبت کا مخالف جذبہ ہے۔ محبت سے جتنے فائدے ہوتے ہیں غصہ ان سب پر پانی پھیر دیتا ہے۔ محبت ایک تعمیری جذبہ ہے جبکہ غصہ ایک تخریبی جذبہ ہے۔ محبت کام بناتی ہے جبکہ غصہ کام بگاڑتا ہے۔ غصہ سے جو کام کیا جاتا ہے وہ اکثر بگڑ جاتا ہے اور فائدے کی بجائے نقصان ہوتا ہے جبکہ خوش اخلاقی اور محبت سے کیا گیا کام ہمیشہ کامیاب ہوتا ہے۔ نفرت تو غصہ سے بھی بدتر چیز ہے کیوں کہ غصہ تو عارضی ہوتا ہے جب کہ نفرت کا اثر دائمی ہوتا ہے جو آدمی نفرت کرتا ہے اس کا دل ہمیشہ جلتا کڑھتا رہتا ہے اور وہ کبھی بھی صحیح فیصلہ نہیں کر سکتا۔ لہٰذا کامیابی کے لیے غصہ و نفرت کو دل سے نکالنا اور محبت وصداقت کو اپنانا نہایت ضروری ہے۔ ہم مریدان سلسلہ توحیدیہ کو خاص طور پر یہ ہدایت کی جاتی ہے کہ غصہ اور نفرت کو بالکل نفی کر دو اور محبت وصداقت کو اختیار کرو

اس کی وجہ یہ ہے کہ ایسا کرنے سے باقی برائیاں خودبخو دنفی اور خوبیاں خودبخو د پیدا ہو جاتی ہیں۔

لسوڑی کے بھائی ابراہیم شاہ صاحب نے سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے تعارف کے حوالے سے بات چیت کی۔خرم شہزاد صاحب آف ڈسکہ نے ہفتہ وار ذکر او رانصاری صاحبؒ کی تعلیم کا خلاصہ بیان فرمایا انھوں نے کہا کہ ہفتہ وار ذکر محض میل ملاپ کے لیے ہے ورنہ اصل فائدہ تو روزانہ کے ذکر اور پاس انفاس سے ہوتا ہے۔انھوں نے کہا کہ بانی سلسلہ کی شدید خواہش تھی کہ مسلمان دنیا میں اپنا کھویا ہوا مقام،وقار،عزت وثروت اور شان وشوکت دوبارہ حاصل کرلیں۔ اس مقصد کے حصول کے لیے حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے 1953 میں سلسلہ عالیہ توحیدیہ کی بنیاد رکھی۔

## مرکز سے ہدایات

سلسلہ عالیہ توحیدیہ کی آفاقی وعالمگیر اور حیات بخش تعلیمات اس گئے گزرے دور میں زنگ آلود قلوب واذھان میں یقیناً عمل کی تحریک پیدا کرتی ہیں ۔لہٰذا ان کی دہرائی کیلئے شیخ سلسلہ باباجان نے تمام پیر بھائیوں کو مطالعہ کتب کا حکم دیا ہے۔اس مطالعہ کے شیڈول کے مطابق عمل کریں۔

| مہینہ | کُتب |
|---|---|
| دسمبر 2019ء | تعمیر ملت |
| جنوری2020ء | طریقت توحیدیه اور حقیقت وحدت الوجود |
| فروری2020ء | چراغ راہ |
| مارچ 2020ء | مقصود حیات |

# مطالعہ سیرت کی اہمیت

(بشکریہ ترجمان القرآن) (نعیم صدیقی)

بہت سے مسلمان ایسے ہیں، جو نبی اکرم ﷺ کی سیرت کے مطالعے سے ساری دلچسپی محض حصول ثواب کے لیے رکھتے ہیں (اس سعادت سے انکار نہیں کہ حضور ﷺ سے قربت کی ہر کوشش اللہ کی بارگاہ میں پسندیدہ ہے اور اجر کا باعث ہے لیکن ایسی کوشش کا اولین مدعا اپنی زندگی کو سنوارنا بھی تو ہو۔) دھوم دھام سے میلاد کی محفلیں منعقد کی جاتی ہیں اور اس اعتقاد سے کی جاتی ہیں کہ ان مجالس میں حضور ﷺ کی روح پرنور جلوہ گر ہوتی ہے اور اپنے پیروؤں کی محبت کے مظاہر کو دیکھ کر خوشنود ہوتی ہے۔ شیرینی کے طشت، پھولوں کے گجرے اور ہار، قوالی اور نعت خوانی کے اہتمام، اگربتیوں اور لوبانوں کی خوشبوؤں کے مرغولے قمقموں اور فانوس کی لمعہ پاشیاں یہ سب کچھ اسی جذبے کے ترجمان ہیں۔

سیرت نبوی ﷺ سے اس انداز کی عقیدت جو نقشہ سامنے لاتی ہے، اس سے ہم کسی آدم زاد شخصیت سے نہیں بلکہ ایک فوق الانسان ہستی سے متعارف ہوتے ہیں، جس کا پیکر نور سے ڈھلا ہے۔ جس کے کارنامے میں سارا کردار صرف معجزوں کا ہے، جو عالم اسباب کے قوانین سے بالاتر ہے، جس کے سارے کام فرشتے انجام دیتے ہیں اور جس کی ہر بات ہر چیز انسانی فہم کے دائرے سے باہر ہے۔ اس بنیادی حقیقت سے کوئی صاحب ایمان انکار نہیں کر سکتا کہ ابنائے نوع کے مقابلے میں حضور ﷺ کا روحانی اور اخلاقی پایہ مرتبت ان انتہاؤں پر ہے کہ وہاں بہت سی فوق العادت چیزیں بھی ملتی ہیں، وہاں معجزے بھی ہیں اور وہاں فرشتے بھی حرکت کرتے نظر آتے ہیں مگر بہر حال وہ پاک زندگی ایک انسان کی ہے جو افضل البشر ہیں اور ان کی عظمت کا اساس ہی یہ ہے کہ ایسی لامثال زندگی ایک انسان نے پیش کی۔ وہاں قوانین فطرت اور نوامیس تاریخ و حدیث ہی کے دائرے میں سارا کام ہوتا ہے اور کامیابی کی راہ کے ایک ایک چپے پر انسانوں کو

سبق دینے کے لیے انسانوں ہی کی طرح قربانیاں پیش کی جاتی ہیں۔

وہ ایک انسان کی زندگی ہوکر ہمارے لیے اسوہ بنتی ہے اور اسی کے تصور کے ساتھ ہم اس حیات مقدسہ سے اکتساب کرسکتے ہیں۔اس سے عزم و ہمت کا درس لے سکتے ہیں۔اس کے اصول کی پابندی اور فرض شناسی کا سبق سیکھ سکتے ہیں۔اس سے انسانیت کی خدمت کا جذبہ اخذ کر سکتے ہیں اور اس سے بدی کی طاقتوں کے خلاف معرکہ آرا ہونے کے لیے اپنے اندر ایک تڑپ پیدا کر سکتے ہیں۔اور اگر سیرت نبوی ﷺ کو محض معجزہ بنا کر اسے فوق الانسان کے طور پر ہی دیکھا جائے تو پھر مٹی کے بنے ہوئے انسانوں کے لیے اس میں نمونہ کیا رہے گا۔ایسی ہستی کے سامنے ہم مرعوب اور حیرت زدہ تو ہو سکتے ہیں،اس سے ہم عقیدت تو رکھ سکتے ہیں،مگر اس کا اتباع نہیں کر سکتے۔چنانچہ جہاں عقیدت مندی کا ایسا خاص رنگ پہنچا اور گہرا ہوتا جاتا ہے،عملی زندگیاں اتباعِ نبوت سے اتنی ہی آزاد ہوتی جاتی ہیں،بلکہ الٹی حالت یہ ہے کہ گھناؤنے معاشی اور معاشرتی جرائم کے میکدے میں جو لوگ خم لنڈھاتے ہیں،وہ بھی اس سستے مظاہرہ عقیدت سے اپنے مضطرب ضمیر کو اطمینان دلاتے ہیں۔ ''کچھ بھی ہیں لیکن تیرے محبوب کی امت میں ہیں''۔

دوسری طرف ایک مغربی رجحان اعاظم پرستی یا Hero Worship کی صورت میں حاوی نظر آتا ہے۔یہ رجحان اپنی روح کے اعتبار سے قوم پرستانہ جذبات کا آئینہ دار ہے۔ایک طرح کا قومی تفاخر ہے جو دوسروں کے سامنے گویا یہ کہتا ہے کہ دیکھو ہمارے پاس ایسی اور ایسی ہستیاں ہیں۔ہماری تاریخ میں اتنے اتنے بڑے پائے کے بزرگ ہوگزرے ہیں اور ان کے یہ یادگار کارنامے ہیں،جن کے ہم وارث ہیں اور جو ہمارے لیے سرمایہ افتخار ہیں۔اس رجحان کی علامت یہ ہے کہ یہ ہمیشہ کھوکھلا ہوتا ہے اور اس کے تحت ہر قوم متعدد شخصیات کے ایام پیدائش اور دوسرے یادگاری دن بڑے ٹھاٹ باٹ سے مناتی ہے مگر یہ ایام کہیں بھی ان شخصیتوں سے استفادے کا ذریعہ نہیں بنتے۔انسانیت کے جن نمونوں کو بصد تفاخر دوسروں کے سامنے پیش کیا جاتا ہے ان کا کوئی پرتو،انہیں پیش کرنے والوں کی اپنی زندگی میں دکھائی نہیں دیتا اور

نہ کبھی اس پرتو کو اخذ کرنے پر توجہ دی جاتی ہے۔اس رجحان کے تحت حضور ﷺ کی یاد تازہ کرنے کے لیے جو تقاریب منعقد ہوتی ہیں، کہنے کو تو ایک خاص طرح کی باتیں کہی جاتی ہیں مگر زندگی پر ان کا کوئی اثر نمودار نہیں ہوتا۔

تیسرا غلط نقطۂ نظر وہ ہے جو حضور ﷺ کے پیغام کو ایک نظامِ حیات کا پیغام نہیں سمجھتا بلکہ ایک مذہب کا پیغام قرار دیتا ہے۔اس نقطۂ نظر سے جو لوگ متاثر ہیں ان کا تصور یہ ہے کہ حضور ﷺ بس چند اعتقادات، چند رسوم، چند عبادات، چند اوراد و وظائف، چند اخلاقی سفارشیں اور چند فقہی احکام پہنچانے آئے تھے۔ایسا عنصر حضور ﷺ سے بس طہارت، نماز روزے، نوافل و اذکار اور انفرادی اخلاق کی حد تک اکتسابِ فیض کرتا ہے، لیکن تمدنی زندگی کے وسیع تر معاملات میں وہ پوری شان بے حسی کے ساتھ ہر باطل کے کام آتا ہے اور ہر جاہلیت کے ساتھ سازگاری کر لیتا ہے۔اس عنصر نے گویا سیرتِ نبوی ﷺ کی مقدس کتاب کے بے شمار زریں ابواب کو فراموشی کی سرزمین میں دفن کر دیا ہے اور بس ایک مقدمے کی نقل کو لے کر اسی میں کھو گئے ہیں۔اس عنصر نے اب تک حضور ﷺ کی جو ترجمانی کی ہے، اس سے متاثر ہو کر دورِ حاضر کی کوئی غیر قوم تو کجا خود تعلیم یافتہ نوجوان مسلم تک یہ تصور بھی نہیں کر سکتے کہ حضور ﷺ ان کے لیے قافلہ سالارِ تمدن بھی ہو سکتے ہیں اور ان کی بارگاہ سے تازہ ترین کٹھن مسائل کا کوئی حل بھی مل سکتا ہے۔

یہ غلط نقطہ ہائے نظر پنپ اس لیے رہے ہیں کہ فضا ان کے لیے سازگار ہے۔فضا یوں سازگار ہے کہ جس نظامِ سیاست و تمدن اور جس ہیئتِ معیشت و معاشرت سے ہم دوچار ہیں اسے خاص نقشے کا انسان درکار ہے۔وہ بالکل دوسری ہی سیرت افراد میں دیکھنا چاہتا ہے۔اس کا کام ایک اور ہی طرز کے ذہن و کردار سے چلتا ہے۔دوسرے لفظوں میں یہاں عملی زندگی کو سرے سے اس نمونہ زندگی کی ضرورت ہی نہیں جسے محمد ﷺ کی سیرت پیش کرتی ہے۔اس منڈی میں اس متاعِ فکر و عمل کی مانگ ہی نہیں ہے جو آں حضور ﷺ کی زندگی سے اخذ کیا جا سکتا ہے۔موجودہ زندگی کا اجتماعی نظام جس طرز کے وزیر، افسر، جج، وکیل، لیڈر، صحافی، سپہ سالار، سپاہی اور پٹواری

،زمین دار، ادیب، عام مزدور اور سرمایہ دار مانگتا ہے، ان کا نقشہ انسانیت اس سے بالکل متضاد قسم کا ہے جس کا مظاہرہ سرورِ عالم نے تاریخ کے اوراق پر پیش فرمایا۔

چھائے ہوئے نظام کی مانگ کے مطابق گھر گھر میں ماؤں کی محبت کی گودیں اور باپوں کی شفقت کی نگاہیں اولادوں کو پال رہی ہیں۔ اس نظام کی ضروریات کا لحاظ رکھ کر ادارہ ہائے تعلیم و تربیت بیس بیس سال ایک ایک فرد پر صرف کر کے کام کے پرزے بنا رہے ہیں اور اسی کے تقاضوں کے تحت ہر صاحب شعور خود اپنے ذہن و کردار کو ایک خاص شکل دینے میں ساری عمر مصروف رہتا ہے۔ یہ نظام جن جن چیزوں کو حقارت اور کراہت سے دیکھتا ہے، ماحول کی پوری طاقت ان کو مٹانے کے درپے رہتی ہے۔ یہ نظام جس بولی کو پسند کرتا ہے، زبانیں آپ سے آپ اسی بولی کو بولنے لگتی ہیں۔ یہ جس لباس کو پسند کرتا ہے، وہ لباس از خود زیب بدن ہونے لگتے ہیں یہ ایک اشارہ کرتا ہے اور قدیمی حیادار گھرانوں کی بہو بیٹیوں کے چہروں سے نقابیں الٹ جاتی ہیں۔ عزت کی روش وہ ٹھہرتی ہے جسے مروجہ نظام رائج کرنا چاہے اور ذلت کا طرز وہ قرار پاتا ہے جسے چلتا ہوا تمدن ناپسند کرے۔ جن فنون کو یہ پسند کرتا ہے وہ ذریعہ مقبولیت بنتے ہیں اور جن جن مشاغل کو یہ مسترد کرتا ہے وہ نذرِ تغافل ہو جاتے ہیں۔ یہ اپنی اقدار خود بناتا ہے اور تمام افراد سے منواتا ہے اور دوسرے تمام روایات، اقدار اور شعائر کو مر جانا پڑتا ہے۔

کچھ حمیت دار افراد اور خاندان، اس ماحول کے جبری دھارے کے خلاف مزاحمت کرتے ہیں مگر معاشی محرومی، ثقافتی پس ماندگی اور احساس برتری کا دباؤ اتنا سخت ہوتا ہے کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ سب اپنے آپ کو ماحول کے حوالے کرتے جاتے ہیں۔ اس ماحول میں سرورِ عالم ﷺ کی سیرت پر کتابیں اگر کوئی لکھے اور پڑھے بھی اور وعظ سنے اور سنائے بھی تو اسوہ حسنہ کا ذوق لوگوں کے اندر آئے کہاں سے؟

سچی بات یہ ہے کہ سیرت نبوی ﷺ میں ان لوگوں کے لیے پیغام ہے ہی نہیں جو کسی غیر اسلامی نظام سے بھی یہ بات بنائے رکھنا چاہتے ہوں اور جن کے مفاد کے سودے کسی باطل

سے چمک رہے ہوں۔ یہ لوگ سیرت پڑھ کر سر دھنتے ہوں گے، ان کو ذہنی لطف و سرور ملتا ہوگا، ان کی معلومات میں بھی کچھ اضافہ ہوتا ہوگا، لیکن ان میں یہ تحریک کہاں سے آئے گی کہ وہ اس سیرت کے سانچے میں زندگی کو ڈھالیں؟

لیکن ہم کہتے ہیں کہ محمد ﷺ کی داستانِ حیات کوئی خیالی کردار نہیں۔ اس کا مقام ہرگز یہ نہیں ہے کہ اسے ہم علم و ادب کے تفریحی چوپال کا محض ایک سرمایۂ رونق بنائیں۔ اس کی قدر و قیمت اجازت نہیں دیتی کہ اسے ہم محض ذہنی لذت حاصل کرنے کے لیے استعمال کریں۔ اس کا احترام روکتا ہے کہ ہم اسے محض قومی فخر کے جذبے کی تسکین کا سامان بنائیں۔

افسوس کہ یہ غلط نقطہ ہائے نظر ہمارے ہاں مل جل کر کام کر رہے ہیں اور یہی اصل مقصد میں رکاوٹ بن گئے ہیں۔ کون شمار کر سکتا ہے کہ ہر سال کتنی مجالس میلاد اور جلسہ ہائے سیرت، ہمارے ملک میں منعقد ہوتے ہوں گے؟ ماہِ ربیع الاوّل میں کتنے وعظ اور کتنی تقریریں ہوا میں لہریں اٹھا دیتی ہوں گی؟ کتنے مقالے اور کتابیں لکھی جاتی ہوں گی؟ کتنے رسالوں کے خاص نمبر اس موضوع پر شائع ہوتے ہوں گے؟ شعرا کتنی نعتیں لکھتے ہوں گے؟ دعوتوں اور ضیافتوں کی کیسی کچھ بہاریں دسترخوانوں پر آتی ہوں گی؟ بازاروں کو سجانے اور محرابیں بنانے میں کتنا روپیہ کھپا دیا جاتا ہوگا؟ لیکن دوسری طرف ذرا یہ بھی سوچیے کہ ایک اچھے مقصد پر قوتوں اور روپے کے اس صرف کا واقعی نتیجہ کیا نکلتا ہے؟ جائزے کی ترازو کے ایک پلڑے میں اپنی ایک سال کی ان سرگرمیوں کو رکھیے اور دوسرے پلڑے میں حاصل شدہ نتائج کو رکھ کر جانچیں، کیا وزن نکلتا ہے؟ کتنے افراد ہوں گے جو ان نیک مساعی کی بدولت سیرت نبوی ﷺ کے سانچے میں اپنی زندگیاں ڈھالنے کی مہم میں ہر سال لگ جاتے ہوں گے؟ اگر ایک جلسے اور ایک مقالے اور ایک نعت کے ذریعے صرف ایک ہی آدمی بدلا ہوتا تو اندازہ کیجیے کہ گزشتہ دو سو سال کا کیا حاصل ہونا چاہیے تھا، اور اگر عملاً وہ حاصل نہیں ہے تو کہیں ہماری مساعی میں کوئی کوتاہی تو موجود نہیں ہے؟۔

(جاری ہے)

# دین اسلام، دین فطرت

(عبدالرشید ساھی)

انبیاء ومرسلین کے ساتھ اللہ تعالٰی نے بالعموم اپنی کتابیں بھی نازل فرمائی ہیں ان کے نزول کا مقصد قرآن مجید میں یہ بیان ہوا ہے کہ حق و باطل کے لیے یہ میزان قرار پائیں تا کہ ان کے ذریعہ سے لوگ اپنے اختلافات کا فیصلہ کر سکیں اور اس طرح حق کے معاملہ میں ٹھیک انصاف پر قائم ہو سکیں لیکن ہوا کیا کہ علمائے سُوء نے پیٹ کی خاطر دین میں مسالک قائم کر دیے حالانکہ انبیاء کرام کے دور میں صرف اور صرف اللہ کا دین ہی قائم رہا۔ مسالک قائم کر کے قوم کو تقسیم کر دیا گیا اختلافات کی آندھیاں چلیں اور اتحاد و اتفاق پارہ پارہ ہو گیا۔ علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں:

ملائے کم نظر نے امت میں پھوٹ ڈالی　　　تسبیح مصطفیٰ ہے صدیوں سے دانہ دانہ
اقبال مدرسوں نے دانش تو عام کر دی　　　کمیاب ہو گیا ہے جذب قلندرانہ

نبوت و رسالت کا سلسلہ حضرت آدمؑ سے لے کر رحمت عالم محمد رسول اللہ ﷺ پر ختم ہوا آپ ﷺ کے دنیا سے رخصت ہو جانے کے بعد وحی و الہام کا دروازہ ہمیشہ کے لیے بند ہو گیا۔ چنانچہ لوگوں کو دین پر قائم رکھنے کے لیے یہ ذمہ داری اب قیامت تک اس اُمت کے علماء ادا کریں گے اس دین کا نام ''اسلام'' ہے اور اس کے بارے میں اللہ تعالٰی نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے کہ انسانوں سے وہ اس کے سوا ہرگز کوئی دوسرا دین قبول نہ کرے گا کیونکہ اللہ تعالٰی نے تکمیل دین بھی فرما دی اور نعمتوں کی بھی تکمیل فرما دی اور دین اسلام کو انسانوں کے لیے پسند بھی فرمایا۔ دین اسلام اپنے اس ظاہر کے لحاظ سے پانچ چیزوں سے عبارت ہے۔

اس بات کی شہادت دی جائے کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور حضرت محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔　　نماز قائم کرنا　　زکوٰۃ ادا کرنا
رمضان کے روزے رکھنا　　بیت اللہ کا حج کیا جائے۔

دین کا باطن ایمان ہے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے کہ آپ ﷺ ان سے فرمادیں کہ ابھی اسلام تمہارے قلوب میں داخل نہیں ہوا۔ جب اسلام قلوب میں داخل ہوتا ہے تو پھر جا کر انسان مومن کا درجہ حاصل کرتا ہے علامہ اقبال فرماتے ہیں:

زمانہ عقل کو سمجھا ہے مشعل راہ کسے خبر کہ جنوں بھی ہے صاحب ادراک

جہاں تمام ہے میراث مرد مومن میرے کلام پہ حجت ہے نکتہ لولاک

یہ ایمان جب اپنی حقیقت کے اعتبار سے دل میں بسیرا کرتا ہے اور اس سے اپنی تصدیق حاصل کرلیتا ہے تو اپنے وجود ہی سے دو چیزوں کا تقاضا کرتا ہے۔

(۱) عمل صالح (۲) تواصی بالحق اور تواصی بالصبر۔ عمل صالح سے مراد ہر وہ عمل ہے جو تزکیہ اخلاق کے نتیجے میں پیدا ہوتا ہے اس کے تمام احساسات عقل و فطرت میں ثابت ہیں۔ اور خدا کی شریعت اسی عمل کی طرف انسان کی رہنمائی کے لیے نازل ہوئی ہے۔ تواصی بالحق کے معنی اپنے ماحول میں ایک دوسرے کو حق کی تلقین کرنے اور حق پر ثابت قدمی کی نصیحت کے ہیں۔ قرآن مجید میں واضح کردیا گیا ہے کہ تم میں سے ایک جماعت ایسی ہونی چاہیے جو برائیوں سے منع کرے اور نیکی کا حکم کرے۔ عام حالات میں ایمان کے تقاضے یہی ہیں لیکن انسان جس دنیا میں رہتا ہے اس کے لحاظ سے جو حالتیں اس کو پیش آسکتی ہیں ان کی رعایت سے ان کے علاوہ تین اور تقاضے بھی اس سے پیدا ہوتے ہیں۔ (۱) ہجرت (۲) نصرت (۳) قیام بالقسط

بندۂ مومن کے لیے اگر کسی جگہ رہتے ہوئے اپنے پروردگار کی عبادت پر قائم رہنا جان جوکھوں کا کام بن جائے۔ اسے دین کے لیے ستایا جائے یہاں تک کہ اپنے اسلام کو ظاہر کرنا ہی اس کے لیے ممکن نہ رہے تو اس کا ایمان اس سے تقاضا کرتا ہے کہ اس جگہ کو چھوڑ کر کسی ایسے مقام کی طرف منتقل ہو جائے جہاں وہ اعلانیہ اپنے دین پر عمل پیرا ہو سکے۔ قرآن اس کو ہجرت کہتا ہے اور پیغمبر کی طرف سے اس کی دعوت کے بعد اپنے آپ کو اس طرح کی صورت حال میں دیکھ کر اس سے گریز کرنے والوں کو اس نے دوزخ کی وعید سنائی ہے۔ اسی طرح دین کو اپنے فروغ یا اپنی

حفاظت کے لیے کسی اقدام کی ضرورت پیش آجائے تو ایمان کا تقاضا ہے کہ جان و مال سے دین کی مدد کی جائے قرآن مجید کی تعبیر کے مطابق یہ خدا کی ''نصرت'' ہے۔

پھر اس دنیا میں انسان کے جذبات، مفادات اور خواہش اگر دین و دنیا کے کسی معاملہ میں اسے انصاف کی راہ سے ہٹا دینا چاہتی ہیں تو یہی ایمان تقاضا کرتا ہے کہ بندہ مومن نہ صرف حق پر قائم رہے بلکہ اگر گواہی کا مطالبہ بھی کیا جائے تو جان کی بازی لگا کر ان کا یہ مطالبہ پورا کرے اور حق کے سامنے اپنا سر جھکا دے۔ علامہ فرماتے ہیں۔

آئین جواں مرداں حق گوئی و بے باکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

اللہ تعالیٰ نے سورۃ المائدہ میں ارشاد فرمایا ہے ''انصاف کرو، انصاف تقویٰ کے قریب ہے'' اور یہ قرآن حکیم ہدایت صرف متقی انسان کو ہی عطا کرتا ہے۔ علامہ فرماتے ہیں۔

نہ مومن ہے نہ مومن کی امیری — رہا صوفی گئی روشن ضمیری
خدا سے پھر وہی قلب و نظر مانگ — نہیں ممکن امیری بے فقیری

دین اسلام کی پاسداری انسان کو مومن کے مرتبہ تک لے جاتی ہے۔ جب کوئی بھی انسان رب کریم اور نبی رحمت ﷺ کے فرمودات کے مطابق اپنی زندگی کو ڈھال لیتا ہے تو وہ مومن کے مقام پر آجاتا ہے علامہ اقبال فرماتے ہیں:

جسے ملا یہ متاع گراں بہا اس کو
نہ سیم و زر سے محبت ہے نے غم افلاس

تاریخ اسلام اٹھا کر دیکھ لیجیے اللہ کے قرب والوں اور نبی مکرم ﷺ کے غلاموں پر جب بھی کوئی مشکل وقت آیا ہے ان کے پائے استقلال میں ذرا بھر بھی لغزش نہیں آئی۔ دین اسلام کی سربلندی کے لیے اللہ والوں نے بڑی قربانیاں دی ہیں لیکن جو قربانی حضرت عثمان غنیؓ اور میدان کربلا میں امام ذی وقار حضرت امام حسینؓ نے دی ہے تاقیامت اس کی مثال پیش نہیں کی جاسکے گی

یوم عاشورہ جس جوش و جذبہ سے منایا جاتا ہے دراصل عملی طور پر وہ زیرو ہے۔

ظاہری طور پر پرہیزگار لوگ حق بات کے لیے اور حق کا ساتھ دینے سے خوف محسوس کرتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں واضح ارشاد فرما دیا ہے کہ ”حق آ کے رہتا ہے اور باطل تو جانے کے لیے ہے“۔

مگر لوگ حق بات کہنے سے گھبراتے ہیں علامہ اقبال فرماتے ہیں۔

گر کبھی خلوت میسر ہو تو پوچھ اللہ سے
قصہ آدم کو رنگیں کر گیا کس کا لہو
میں کھٹکتا ہوں دلِ یزداں میں کانٹے کی طرح
تو فقط اللہ ھو اللہ ہو اللہ ھو

کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

قتل حسینؓ کی قسم لاکھوں یزید ہیں یہاں ۔۔۔ ہے یہی ارض کربلا کلمہ حق اٹھا کے دیکھ

اس دین اسلام کا جو مقصد قرآن مجید میں بیان ہوا ہے وہ قرآن حکیم کی اصطلاح میں تزکیہ ہے۔ اس کے معنی ہیں کہ انسان کی انفرادی زندگی اور اجتماعی زندگی کو آلائشوں سے پاک کر کے اس کے فکر و عمل کو صحیح سمت میں نشو نما دی جائے۔

زباں نے کہہ بھی دیا لا الٰہ تو کیا حاصل ۔۔۔ دل و نگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں

قرآن مجید میں یہ بات جگہ جگہ بیان ہوئی ہے کہ انسان کا نصب العین بہشت بریں کی بادشاہی ہے اور کامیابی کے اس مقام تک پہنچنے کی ضمانت انہی لوگوں کے لیے ہے جو اس دنیا میں اپنا تزکیہ کر لیں۔ دین اسلام میں غایت اور مقصود کی حیثیت تزکیہ کو حاصل ہے۔ اللہ کے نبی ﷺ اسی مقصد کے لیے بھیجے گئے۔ اور سارا دین اسی مقصود کو پانے اور اسی غایت تک پہنچنے میں انسان کی رہنمائی کے لیے نازل ہوا۔ اس دین پر عمل کے لیے جو رویہ اس کے ماننے والوں کو اختیار کرنا چاہیے

وہ ''احسان ہے اس کی صورت یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی بندگی اس طرح کرے کہ گویا وہ اسے دیکھ رہا ہے اس لیے کہ اگر وہ اسے نہیں دیکھ رہا تو اس کا پروردگار تو اسے دیکھ رہا ہے۔

دراصل دین اسلام ہی سلامتی کا رستہ ہے جس پر چلنے سے انسان دنیا و آخرت میں ناکامی سے بچ جاتا ہے دین اسلام ہی وہ واحد رستہ ہے جس پر چلنے سے قربِ حق نصیب ہوتا ہے اور دوری کے حجاب اٹھا دیے جاتے ہیں۔ جو انسان اپنے دل سے تمام خواہشات کو باہر نکال پھینکتا ہے اور اخلاص نیت سے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے حصول کے لیے شب و روز تڑپتا ہے تو آفتابِ محمد ﷺ کی شعائیں اس کے لیے ان راہوں کو روشن و منور کر دیتی ہیں۔ جن کو اس کا ذاتی تجربہ ہے ان سے پوچھو وہ تمہیں بتائیں گے کہ مصطفیٰ کریم ﷺ کی رہنمائی کے بغیر اللہ تعالیٰ تک پہنچانے والی راہ کا سراغ نہیں ملتا۔ علامہ اقبال فرماتے ہیں۔

ملے گا منزلِ مقصود کا فقط اسی کو سراغ
اندھیری شب میں ہے چیتے کی آنکھ جس کا چراغ

شریعت محمدی ﷺ کی اطاعت کی برکت سے انسان مختلف قسم کے اندھیروں سے نکل کر ہدایت کی روشنی میں آتا ہے۔ تاریکیاں اور اندھیرے کئی قسم کے ہیں۔ شرک و کفر کا اندھیرا، گناہ، سرکشی کا اندھیرا، نفس پرستی اور بدعت کی تاریکی، غفلت اور سستی کی ظلمت لیکن نور صرف ایک ہی یعنی نور محمدی ﷺ اور پیروی کے لیے ماڈل ذات ایک ہی ہے، نبی رحمت ﷺ کی ذات دنیا و آخرت کی ساری کی ساری کامرانی و کامیابی نبی رحمت ﷺ کی اتباع میں ہے قبلہ مرشد محمد صدیق ڈار اکثر فرمایا کرتے تھے کہ روز محشر ماڈل کے مطابق ہی مال قبول کیا جائے گا اور قیامت تک وہی سکہ چلے گا جس پر مہر محمدی ﷺ لگی ہوگی۔ علامہ اقبال فرماتے ہیں۔

نگاہِ عشق و مستی میں وہی اول وہی آخر  وہی قرآں وہی فرقاں وہی یٰسین وہی طٰہٰ
کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں  یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

# انسان کی ناشکری

(مولانا محمد اسجد قاسمی)

انسان پر خدائے ذوالجلال کی نعمتیں شمار سے باہر ہیں، اللہ نے انسان کو سب سے مکرم بنایا ہے، اسے بحر و بر میں سواریاں عطا کی ہیں، اسے پاکیزہ چیزوں سے رزق دیا ہے، اپنی بہت سی مخلوقات پر نمایاں فوقیت بخشی ہے، خوبصورت سانچے اور بہترین ساخت پر پیدا کیا ہے، اشرف المخلوقات پر نمایاں بنایا ہے، اسے کائنات کا سب سے قیمتی، قابل احترام، لائق محبت اور مستحق حفاظت وجود بنایا ہے، اسے اس بزمِ عالم کا صدر نشین بنایا ہے، اس کا رتبہ اتنا برتر کیا ہے کہ اس سے اوپر صرف خدا کی ہستی رہ جاتی ہے، قرآن کی زبان میں انسان اللہ کا نائب ہے، یہ پوری دنیا اور پورا کارخانہ عالم اسی کے لئے پیدا کیا گیا ہے کائنات کی اشیاء کو اس کی خدمت میں لگادیا گیا ہے، زمین و آسمان کی تمام چیزیں اس کے لیے مسخر کردی گئی ہیں، اللہ نے اپنی ظاہری و باطنی، عیاں و نہاں، کھلی چھپی تمام نعمتیں انسان پر تمام کردی ہیں سب اشیاء اس کی تابع و خادم بنائی گئی ہیں، واقعہ یہ ہے کہ انسان اللہ کی نعمتوں کو شمار ہی نہیں کرسکتا، اس کی نعمتوں کا بحر بے کراں ہے، اس کا کوئی ساحل و کنارہ ہی نہیں، ہر آن اس کی نعمت و فضل کی بارش انسان پر برستی رہتی ہے:

ابر و باد و مہ و خورشید و فلک در کارند
تا تو نانے بکف آری و غفلت نہ خوری

اللہ نے انسان کو اپنا کنبہ قرار دیا ہے، انسانیت کا حد درجہ احترام اللہ کی شریعت میں ملحوظ رکھا گیا ہے، ان تمام بے پایاں نعمتوں کا شکر اسی وقت ادا ہو سکتا ہے جب انسان اپنے مقصد تخلیق یعنی عبادت و بندگی سے کسی لمحہ غافل نہ ہو، لیکن دوسری طرف اکثر انسانوں کی صورت حال بالکل الٹی ہے قرآن کی زبان میں:

ترجمہ: کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہوں نے اللہ کی نعمت پائی اور اسے

کفرانِ نعمت سے بدل ڈالا اور اپنے ساتھ اپنی قوم کو بھی ہلاکت کے گھر میں جھونک دیا۔
(ابراھیم:۲۸)

ایک طرف اللہ نے ہر طرح کی نعمت دی اور:

ترجمہ: آسمان و زمین کو پیدا کیا اور آسمان سے پانی برسایا پھر اس کے ذریعہ سے تمہاری رزق رسانی کے لئے طرح طرح کے پھل دیئے، اس نے کشتی کو تمہارے لئے مسخر کیا کہ سمندر میں اس کے حکم سے چلے اور دریاؤں کو تمہارے لئے مسخر کیا، سورج اور چاند کو تمہارے لئے مسخر کیا کہ لگاتار چلے جارہے ہیں اور رات و دن کو تمہارے لئے مسخر کیا اور تمہیں وہ سب کچھ دیا جو تم نے مانگا، اگر تم اللہ کی نعمتوں کا شمار کرنا چاہو تو نہیں کر سکتے، حقیقت یہ ہے کہ انسان بڑا ہی بے انصاف اور ناشکرا ہے۔

فطرت کی ہر مانگ، زندگی کا ہر مطلوب اور بقاء وارتقاء کے تمام وسائل فراہم ومہیا کئے جانے کے باوجود یہ انسان ناشکری اور احسان فراموشی کی آخری حدوں تک پہنچ چکا ہے، انسان کا اپنا وجود ایک عالم اصغر ہے، اس کے تمام اعضاء جسم کے ہر جوڑ اور ہر رگ و ریشہ میں اللہ وحدہٗ لاشریک کی لامتناہی نعمتوں کا ایک خزانہ مخفی و پنہا ہے، لیکن انسانی طبیعت کی یہ عالمگیر کمزوری ہے کہ جب تک وہ ایک نعمت سے محروم نہیں ہو جاتا تب تک اس کی قدر و قیمت کا صحیح اندازہ نہیں کر سکتا اور ناشکری کرتا جاتا ہے، قرآن نے انسان کو اسی کفرانِ نعمت کی طرف بارہا متوجہ کیا ہے۔

نعمتوں کی ناقدری، کفرانِ نعمت، احسان ناشناسی، معصیت اور بے راہ روی کے نتائج انسان کو مصائب، مشکلات، حادثات اور اذیتوں کی شکلوں میں بھگتنے پڑتے ہیں قرآن کہتا ہے:

ترجمہ: ''اور دیکھو کہ اللہ نے ایک مثال بیان کی، ایک بستی تھی جہاں ہر طرح کا امن تھا، ہر جگہ سے سامانِ رزق آتا رہتا تھا اور ہر شخص فراغت سے کھاتا رہتا تھا لیکن پھر ایسا ہوا کہ انہوں نے اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کی تو اللہ نے بھی ان کے کاموں کی پاداش میں انہیں نعمتوں سے محروم کردیا، تنعم کی جگہ فاقہ اور امن کی جگہ خوف ان پر چھا گیا۔ (النحل:۱۱۲)

دنیوی نتائج بد کے سوا اخروی نتائج کہیں زیادہ بدتر ہوں گے قرآن کے بقول:

ترجمہ: ان پر آگ کی چھتریاں اوپر سے بھی چھائی ہوں گی اور نیچے سے بھی، یہ وہ انجام ہے جس سے اللہ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے، تو اے بندو! میرے غضب سے بچو۔ (الزمر ۱۶)

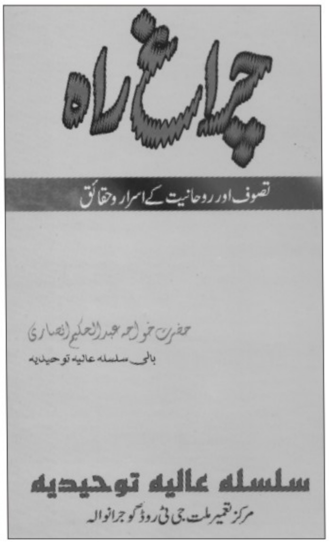
وجود انسانی پر یہ خدائی لامتناہی نعمتیں دعوت شکر و عمل دیتی ہیں، یہ بندوں کو خدا کا پیغام سناتی ہیں اور بتاتی ہیں کہ اللہ کا کرم اور فیض بالکل عام ہے، اس کی ہدایت سب کو یکساں ہے مگر اکثر افراد اس دعوت اور صدا پر ذرا بھی کان نہیں دھرتے اور ناشکری و بے عملی میں مسلسل مبتلا رہتے ہیں جس کا خمیازہ نعمتوں سے محرومی کی شکل میں بھگتنا پڑتا ہے:۔

ہم تو مائل بہ کرم ہیں، کوئی سائل ہی نہیں
راہ دکھلائیں کسے؟ رہرو منزل ہی نہیں

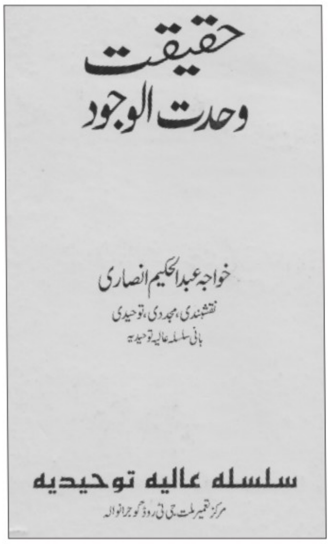
## دعائے مغفرت

ملتان سے ملک رمضان کھیڑا کے بھائی
بقضائے الٰہی وفات پا گئے ہیں (اِنّا لِلّٰہِ وَاِنّـا اِلَیْہِ رَاجِعونَ)
مرحوم کی مغفرت اور بلندی درجات کیلئے دعا فرمائیں۔

# بانی سلسلہ عالیہ توحیدیہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کی شہرہ آفاق تصانیف




کتاب ہذا بانی سلسلہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کے خطبات پر مشتمل ہے۔ جو آپ نے سالانہ اجتماعات پر ارشاد فرمائے اسمیں درج ذیل خصوصی مسائل پر روشنی ڈالی گئی۔سلوک وتصوف میں ذاتی تجربات ،مرشد کی تلاش کے دس سالہ دور کا حال۔زوال اُمت میں اُمراء ،علماء،صوفیاء کا کردار۔علماء اورصوفیاء کے طریق اصلاح کا فرق۔تصوف خفتہ اور بیدار کے اثرات اورتصوّف کے انسانی زندگی پراثرات۔سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے قیام سے فقیری کی راہ کیونکر آسان ہوئی۔

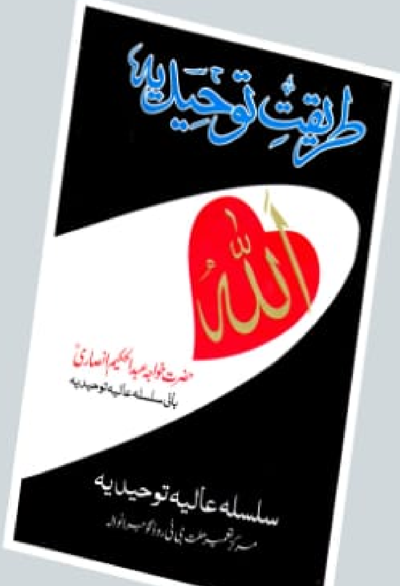



وحدت الوجود کے موضوع پر یہ مختصر سی کتاب نہایت ہی اہم دستاویز ہے۔مصنّفؒ نے وحدت الوجود کی کیفیت اور روحانی مشاہدات کو عام فہم دلائل کی روشنی میں آسان زبان میں بیان کردیا ہے۔ آپ نے جن دیگر موضوعات پر روشنی ڈالی ہے وہ یہ ہیں:۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ کا نظریہ وحدت الشہود، انسان کی بقاء اور ترقی کیلئے دین کی اہمیت اورنا گزیریت ،بنیادی سوال جس نے نظریۂ وحدت الوجود کو جنم دیا اورروحانی سلوک کے دوران بزرگان عظّام کو ہو جانے والی غلط فہمیاں۔

# مکتبہ توحیدیہ کی مطبوعات




قرونِ اولیٰ میں مسلمانوں کی بے مثال ترقی اور موجودہ دور میں زوال وانحطاط کی وجوہات، اسلامی تصوّف کیا ہے؟ سلوک طے کرنے کا عملی طریقہ، سلوک کا ماحصل اور سلوک کے ادوار، ایمان محکم کس طرح پیدا ہوتا ہے؟ عالم روحانی کی تشریح، جنت، دوزخ کا محل وقوع اور ان کے طبقات کی تعداد، انسانی روح کی حقیقت کیا ہے؟ روح کا دنیا میں آنا اور واپسی کا سفر، اسلامی عبادات، معاملات، اور اخلاق وآداب کے اسرار ورموز اور نفسیاتی اثرات، امت مسلمہ کے لئے اپنے کھوئے ہوئے مقام کے حصول کیلئے واضح لائحہ عمل۔




یہ کتاب سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا آئین ہے۔ اس میں سلسلے کی تنظیم اور عملی سلوک کے طریقے تفصیل کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔ جو لوگ سلسلہ میں شامل ہونا چاہتے ہیں انہیں یہ کتاب ضرور پڑھنی چاہئے۔ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے تصوف کی تاریخ میں پہلی مرتبہ فقیری کا مکمل نصاب اس چھوٹی سی کتاب میں قلم بند کردیا ہے۔ اس میں وہ تمام اوراد، اذکار اور اعمال واشغال تفصیل کے ساتھ تحریر کردیئے ہیں جس پر عمل کر کے ایک سالک اللہ تعالیٰ کی محبّت، حضوری، لقاء اور معرفت حاصل کرسکتا ہے۔

**Reg: CPL - 01**

**Website www.tauheediyah.com**